آئینہ انجمن

محرم الحرام، 1446ھ، جولائی 2024ء

شمارہ نمبر: 65

021 - 34993436 - 7

www.quranacademy.edu.pk

مرکزی دفتر انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی، رجسٹرڈ B - 375 علامہ شبیر احمد عثمانی روڈ، بلاک 6، گلشن اقبال، کراچی

آئینۂ انجمن

اس شمارے میں

نمبرشمار	عنوان	صاحب تحریر	صفحہ نمبر
01	فرمان باری تعالی و فرمان نبوی ﷺ	- - - -	02
02	اداریہ : شہادت اور قیامت	ڈاکٹر انوار علی ابرار	03
03	حمد باری تعالی و نعت رسول پاک ﷺ	حسن رضا / احسن مارہروی	05
04	ملفوظات صدر مؤسس انجمن خدام القرآن	ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ	06
05	اقتباس نگران انجمن خدام القرآن	شجاع الدین شیخ	07
06	قرآن حکیم کی صرفی نحوی تحلیل	استاذ عاطف محمود	08
07	فجور و تقویٰ اور حیات انسانی	راحیل گوہر صدیقی	12
08	میر الھواب بھی بہہ رہا ہے	ڈاکٹر مقبول احمد مکی	16
09	توکل علی اللہ کی برکات	حافظ محمد اسد	19
10	اسلام اور نباتات	حافظ حذیفہ محمود	24
11	مسلمانوں کے زوال کا مفہوم	شاہنواز فاروقی	27
12	انجمن خدّام القرآن کے تحت جاری سرگرمیاں	ماہانہ رپورٹ	30
13	شعبۂ ملٹی میڈیا	ماہانہ رپورٹ	34

فرمان الٰہی جل جلالہ
و
فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ (هود: 16 – 15)

ترجمہ: ”جو لوگ بس اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوشنمائیوں کے طالب ہوتے ہیں ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی، مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (وہاں معلوم ہو جائے گا کہ) جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیامیٹ ہو گیا اور اب ان کا سارا کیا دھرا محض باطل ہے۔“

تشریح: اس دنیا میں جو لوگ بھی جدوجہد کرتے ہیں وہ اس کا ثمرہ پاتے ہیں۔ اب بات اس کے نصب العین پر موقوف ہے۔ بعض لوگوں کی نظر اعلیٰ مقاصد اور بلند افق پر ہوتی ہے۔ اور بعض لوگ صرف اپنے قدموں پر نظر رکھتے ہیں اور دنیا کے قریب اور محدود مقاصد ان کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ جو شخص دنیاوی زندگی اور اس کے کروفر کے متلاشی ہوتے ہیں تو وہ صرف اس کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ ان کو ان کے عمل کا نتیجہ اس دنیا ہی میں ملتا ہے۔ اور پھر وہ اس سے نفع اٹھاتے ہیں جس طرح ان کی مرضی ہوتی ہے۔ لیکن آخرت میں ان کا حصہ صرف آگ ہوتی ہے کیونکہ ایسے شخص نے آخرت کے لیے کچھ کمائی نہیں کی اور نہ آخرت کو اس نے اہمیت دی۔ اس لیے وہ دنیا میں جو بھی اچھا عمل کرے گا، اس کی جزاء اسے یہاں ہی مل جائے گی اور آخرت میں وہ عمل باطل ہو گا۔ وہاں اس کے اعمال کا کوئی وزن نہ ہو گا۔ آخرت میں ایسے لوگوں کے اعمال حبط ہوں گے۔ (تفسیر بیان القرآن۔۔۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ)

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: هَلْ مِنْ أَحَدٍ مَشَى عَلَى الْمَاءِ إِلَّا ابْتَلَّتْ قَدَمَاهُ؟ قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، قَالَ: كَذَلِكَ صَاحِبُ الدُّنْيَا لَا يَسْلَمُ مِنَ الذُّنُوبِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فرمایا: کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے، اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں؟ عرض کیا گیا: حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا: اسی طرح دنیا دار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

تشریح: صاحب الدنیا (دنیا دار) سے مراد وہی شخص ہے جو دنیا کو مقصود و مطلوب بنا کر اس میں لگے، ایسا آدمی گناہوں سے کہاں محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن اگر بندہ کا حال یہ ہو کہ مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت ہو، اور دنیا کی مشغولی کو بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح کا ذریعہ بنائے، تو وہ شخص دنیا دار نہ ہو گا، اور دنیا میں بظاہر پوری مشغولی کے باوجود وہ گناہوں سے محفوظ بھی رہ سکے گا۔ (معارف الحدیث۔۔ مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ)

شہادت اور قیامت

ڈاکٹر انوار علی ابرار

مدیر تعلیم انجمن خدام القرآن، سندھ کراچی

قیامت کا منظر ہے! پہلے پہل امتوں پر اور پھر فرداً فرداً انسانوں پر گواہیاں لائی جارہی ہیں، حجتیں پوری ہورہی ہیں، فرار کا کوئی رستہ نہیں۔ پیغام پہنچا؟ ہاں!! تو پھر عمل کیوں نہ کیا؟ رسولوں کی گواہیاں امتوں کے اوپر، داعیانِ اسلام کی گواہیاں قوموں کے اوپر، باپ کی گواہی، ماں کی گواہی، اپنوں کی گواہی، غیروں کی گواہی۔ انسانوں کی گواہی ہی کم نہ تھی کہ انسانوں کے اعضا گواہ بن جائیں گے، زمین گواہ بنا دی جائے گی۔ رب العزت بے زبانوں کو زبان عطا فرمادیں گے۔ غرض کوئی کسر نہ رہ جائے گی اور عدل ہوگا، انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے۔ کوئی ظالم بچ نہ سکے گا، کوئی مظلوم نظرانداز نہیں ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ اس دن ہم کہاں ہوں گے؟ رسول اللہ ﷺ کا امتی ہونا یقیناً اعزاز ہے، یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ البتہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس امت کی فضیلت کی عملی بنیاد کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ سورہ آل عمران کی آیت 110 میں فرماتے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

"(مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو (کیونکہ) تمہیں انسانوں کے لیے نکالا گیا ہے (کہ) تم نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اسی طرح امت کے فرض منصبی کو واضح کیا سورہ بقرہ کی آیت 143 میں:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

"اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ وسط بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخرالزماں) تم پر گواہ بنیں۔"

رسول اللہ ﷺ کی پوری حیات طیبہ اسی گواہی کا مظہر ہے۔ آپ نے اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے اپنا وقت اور صلاحیت پوری طرح سے کھپا دی، یہی منہج رسول ﷺ ہے (سورہ یوسف 108):

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ

"کہہ دیجیے کہ میرا رستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری سمجھ بوجھ کے ساتھ! میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور وہ بھی جو میرے پیرو کار ہیں۔"

اسی فرضِ منصبی کو اللہ کے رسول ﷺ نے باقاعدہ امت کی طرف منتقل فرمایا: کبھی اس طرح کہ فرمایا: "پہنچاؤ میری طرف سے بھلے ایک ہی آیت ہو۔" اور حجۃ الوداع کے موقع پر اس طرح کہ "پس اب پہنچائے وہ جو یہاں ہے ان تک جو یہاں نہیں ہیں۔"

بات ہورہی تھی شہادت کی! شہادت یعنی گواہی۔ اللہ کا بندہ جب اسی حجت کو پورا کرتے ہوئے اللہ کی خاطر اپنی جان اس کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ شہید قرار پاتا ہے، اس کی گواہی امر ہو جاتی ہے لہٰذا اللہ رب العزت اس شخص کو زندہ قرار دیتے ہیں اور مردہ کہنے سے منع فرما دیتے ہیں۔ اللہ نے اس امت کے ہر فرد کو یہ فرض عطا فرمایا ہے کہ اپنی استطاعت اور اللہ کی توفیق سے اپنی زندگی کا بہترین اور بیشتر حصہ اس اہم کام میں مبذول کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس فرض کو کیا خوب نبھایا اور ان شہادتوں کی طویل داستانیں رقم کیں۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی ہوں یا حضرت حسین رضی اللہ عنہم سب آسمانِ شہادت کے چمکتے دمکتے ستارے ہیں جو روشن ہیں قیامت تک اور قیامت کے دن ان کی چمک دمک مزید نکھر جائے گی۔ اللہ کی خاطر اپنی جان دینے والا ہر اللہ کا بندہ اس امت کا فخر ہے۔ یہ امت روئے زمین پر اللہ کی نمائندہ امت اور اس امت کا ہر فرد اللہ کا نمائندہ ہے۔ یہی فضیلت ہے یہی رتبہ ہے مگر شاعر نے کیا خوب کہا کہ "وعدہ آسان ہے وعدے کی وفا مشکل ہے، جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔"

کام تو یہ کرنا تھا، لگنا تو اس محنت میں تھا، اپنی صلاحیت کا وقت کا، توانائیوں کا، اپنی جوانی کا بہترین حصہ اس دین کو دینا تھا۔ لیکن افسوس کہ "وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا، کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا۔" اگر آج بھی مسلمان نہ جاگے اور اپنا فرض ادا نہ کیا تو اللہ کی یہ سنت ہے کہ اللہ اپنے دین کے کام لیے دوسرے لوگوں کو چن لیتا ہے اور اللہ کے فرض کو پورا نہ کرنے والے مغضوب علیهم قرار پاتے ہیں۔

حکمت و دانش

ایمان بالغیب

جس طرح کسی سطحِ زمین کے نشیب و فراز اور جغرافیائی خدّوخال کا تعین کرنے کے لیے کسی بلند مقام سے مشاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح قرآنی آیات کو سمجھنے کے لیے خود خدا کے ساتھ تعلق قائم کر کے اپنے آپ کو ذہنی اور روحانی لحاظ سے بلند مقام پر فائز کر لینا چاہیے۔ ایک شخص جب اس مقام و مرتبے کو حاصل کر لیتا ہے اس کے لیے ہر بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ سارے کا سارا قرآن محکمات کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور قاری اس کی آیات کے مافی الضمیر تک رسائی حاصل کرنے کے لیے صغریٰ کبریٰ کے کسی نظام کا محتاج نہیں رہتا۔ خدا کے ساتھ اس تعلق خاطر کے لیے قرآن حکیم میں ایمان بالغیب کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ قرآن کی ابتدائی آیات میں ہی اس امر کی صراحت کر دی گئی ہے کہ اس کی تفہیم اور اس کے اکتسابِ ہدایت کے لیے لازمی شرط یہ ہے کہ قاری کو ایمان بالغیب حاصل ہو۔ ایمان بالغیب کیا ہے؟ اس اصطلاح سے مراد یہ ہرگز نہیں ہے .... جیسا کہ لفظ بالغیب کی اضافت سے شائبہ ہو سکتا ہے ــ کہ چند قضیوں کو بے چون وچرا تسلیم کر لیا جائے۔ جب کہ اس کے برعکس یقین و اعتماد کی وہ کیفیت ہے جو ہمہ گیر تجربے کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ اس کیفیت کے اکتساب کے لیے قرآن حکیم نے فطرت کے مشاہدے اور انفس و آفاق پر غور و فکر کرنے کی بار بار اور پر زور سفارش کی ہے۔ طبیعی کائنات میں پھیلی ہوئی آیاتِ بینات مابعد الطبیعی کائنات کے وجود کے لیے ایسی نشانیاں مہیا کرتی ہیں جن سے رہ نمائی حاصل کرنے سے صرف وہی لوگ محروم رہتے ہیں جو اندھے اور بہرے ہیں اور جن کی فکری صلاحیتیں مفلوج ہو چکی ہیں۔ (مذہبی زبان کا مسئلہ از پروفیسر ڈاکٹر عبدالخالق)

حمدِ باری تعالیٰ جل جلالہٗ
و
نعتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں تیری ذات کے اوصاف گنانے والا — تو مرے سارے گناہوں کو چھپانے والا
تجھ کو دیکھوں تو ہر ایک گام پہ تیرے ہی نقوش — تو مجھے منزلِ مقصود دکھانے والا
تجھ کو سوچوں تو سوچا کروں دیر تک — تو مری فکر و نظر، دل میں سمانے والا
جب زباں سے ہو ادا نام، تو تیرا ہو ادا — تو ہی احساس کو گفتار بنانے والا
جب بھی محسوس کروں، سانسوں میں آکر بس جائے — جسم و جان کو مری ضو بار بنانے والا
اُس کی پتوار کی عظمت کا بیاں شاہد ہے — وہ ہی ہر حال میں کشتی کو چلانے والا

ڈاکٹر شاہد صدیقی

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جہاں میں دینِ حق کا بول بالا کردیا تم نے — مرے آقا اندھیرے میں اجالا کردیا تم نے
جبینِ آدمیت پر حرا کا نور جب چمکا — عرب کے چاند! دنیا بھر پہ ہالہ کردیا تم نے
کوئی بس طور تک، تم شمع بزم لامکانی تک — وقارِ آدمیت کتنا بالا کردیا تم نے
گرے لات و منات ظاہری و باطنی سارے — کہ خالی غیر سے دل کا شوالہ کردیا تم نے
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد دنیا سے — شکوہ کفر کو مکڑی کا جالا کردیا تم نے
تمہاری ذات سے ممکن ہوئی قسمت کی تابانی — مقدر اپنے بزمی کا نرالا کردیا تم نے

سرفراز بزمی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

فکر و عمل کا فریب

حقیقت یہ ہے کہ وہ کام جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی گزار دی یعنی اقامتِ دین کی جدوجہد، اس کو تو ہم نے اپنے ذہنوں سے خارج کر رکھا ہے۔ یہ رسول ﷺ کی سب سے بڑی سنت ہے، لیکن ہم نہ تو اس کی طرف توجہ کرتے ہیں اور نہ باقی معاملات پر دین کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہیں۔ معاملات میں تو ہم حیلوں بہانوں سے ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ سود کے حوالے سے کہہ ڈالتے ہیں کہ کیا کریں اس کے بغیر کاروبار چلتا ہی نہیں۔ وکلا حضرات جھوٹ بولنے کی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ہمارے ہاں قانون ایسا ہے کہ صحیح سے صحیح مقدمہ بھی جھوٹ کے بغیر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ سرکاری ملازم رشوت لینے کا عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ ہمیں جو تنخواہ ملتی ہے اس میں گزارا نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں ہمارے نظام کا بھی قصور ہے جس کو بدلنے کا نام اقامتِ دین کی جدوجہد ہے اور وہ ہم نے کرنی نہیں ہے۔ اس کے بجائے اس نظام کے اندر رہتے ہوئے بے ایمانیاں، سود خوری، جھوٹ، ملاوٹ، دھوکہ دہی اور رشوت وغیرہ، یہ سب کرتے رہنا ہے۔ اصل بات وہی ہے کہ جب دین کے تصور میں محدودیت پیدا ہو جائے اور روح کے بجائے صرف ظاہری شکل پیشِ نظر رہ جائے تو پھر معاشرہ بدعات اور محدثات کا گھنا جنگل بن جاتا ہے۔ اس طرح سنت اور نیکی کے کام ختم ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ برائیاں جنم لے لیتی ہیں۔

(مذمت بدعت، خطاب جمعہ 31 اگست 2007ء)

اقتباس نگرانِ انجمن خدّام القرآن، کراچی

شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ

صحیح طرز عمل

12 ربیع الاول کے دن محافل کا انعقاد ہوتا ہے اور وہاں آپ ﷺ کی ثنا بیان کی جاتی ہے اور نعت رسول مقبول ﷺ کے نذرانے پیش کیے جاتے ہیں۔ بعض مرتبہ کچھ ایسے اعمال بھی ہوتے ہیں جن سے کسی بھی مکتبِ فکر کے علما کو اتفاق نہیں ہے۔ مثال کے طور پر چوری کی بجلی استعمال کر کے چراغاں کرنا اس قدر زور دار آواز سے اسپیکر کا استعمال کرنا کہ لوگوں کی نیند خراب ہو اور لوگوں کی عبادات میں خلل واقع ہو جائے۔ یا حرام مال کو استعمال کر کے لوگوں کو کھانا کھلانا اور سمجھنا کہ بڑا نیکی کا کام ہو رہا ہے۔ یا نعت کے اشعار میں اس طرح سے رسول اللہ کی شان بیان کرنا کہ جن میں بازاری قسم کے الفاظ ہوں اس میں محبت کی بازاری قسم کی حرکتیں اور داستانیں اور الفاظ استعمال کیے جائیں۔ یہ تو عین بے ادبی کا پہلو ہے۔ ان باتوں پر کسی صاحبِ علم اور مکتبِ فکر کو اتفاق نہیں ہوسکتا۔ البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکرِ خیر ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ کی سیرت کا بیان بھی ہونا چاہیے۔ اگر ان مجالس میں یہ بات پیش نظر رہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کا اضافہ ہو، آپ ﷺ کے احسانات کا ہم پر ادراک ہو اور پھر رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے اور آپ ﷺ کی اتباع بھی کی جائے اور آپ ﷺ کے مشن کو اختیار کرنے کی کوشش کی جائے تو ایسی مجلس ربیع الاول میں منعقد کی جائے خواہ ربیع الثانی میں منعقد کی جائے یا سال کے کسی بھی موقع پر منعقد کی جائے وہ مبارک ہے۔ لیکن اگر اس کے برعکس بدعات، فضولیات، خرافات اور رسول ﷺ کی تعلیمات کے بر خلاف کوئی اعمال اختیار کیے جائیں تو یہ اللہ کے غضب اور رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی مول لینے کی بات ہوگی۔ اللہ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔

(خطاب جمعہ، ستمبر 2023ء، مسجد جامع القرآن، کراچی)

قرآن حکیم کی منتخب سورتوں کی صرفی و نحوی تحلیل

سورۃ الملک

عاطف محمود

ناظم تعلیم و استاذ، قرآن اکیڈمی یاسین آباد

سورۃ الملک کی فضیلت :

1-عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ خِبَاءَهُ عَلَى قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتَّى خَتَمَهَا فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي ضَرَبْتُ خِبَائِي عَلَى قَبْرٍ وَأَنَا لَا أَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الْمُلْكِ حَتَّى خَتَمَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ساتھی نے ایک جگہ اپنا خیمہ لگایا لیکن ان کو معلوم نہ ہوا کہ یہ قبر ہے وہ اچانک دیکھتے ہیں کہ اس قبر میں ایک انسان ہے جو سورۃ الملک کی تلاوت کر رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اس سورت کو مکمل کر لیا۔ وہ صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اپنا خیمہ ایک جگہ لگایا لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ قبر ہے اچانک میں نے دیکھا کہ ایک انسان اس میں سورۃ الملک کی تلاوت کر رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اس سورت کو مکمل کر لیا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورت عذاب قبر سے روکنے والی اور نجات دینے والی ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق :

قَالَ	ق و ل (ن)	فعل ماضی	صیغہ واحد مذکر غائب	اُس نے کہا
ضَرَبَ	ض ر ب (ض)	فعل ماضی	صیغہ واحد مذکر غائب	اُس نے لگایا
خِبَاءٌ	خ ب ء (ف)	اسم	ترجمہ: ریشم یا اون یا بالوں کا خیمہ بنانا، جو دو یا تین ستون پر لگایا جائے	
يَحْسِبُ	ح س ب (س)	فعل مضارع	صیغہ واحد مذکر غائب	وہ گمان کرتا ہے
يَقْرَأُ	ق ر ء (ف)	فعل مضارع	صیغہ واحد مذکر غائب	وہ پڑھتا ہے
خَتَمَ	خ ت م (ض)	فعل ماضی	صیغہ واحد مذکر غائب	اُس نے مکمل کیا
أَتَى	ء ت ی (ض)	فعل ماضی	صیغہ واحد مذکر غائب	وہ آیا
ضَرَبْتُ	ض ر ب (ض)	فعل ماضی	صیغہ واحد متکلم	میں نے لگایا
أَحْسِبُ	ح س ب (س)	فعل مضارع	صیغہ واحد متکلم	میں گمان کرتا ہوں
المانعة	م ن ع (ف)	اسم الفاعل	صیغہ واحد مونث	روکنے والی
المنجية	ن ج و (افعال)	اسم الفاعل	ترجمہ: نجات دلانے والی	
تُنْجِي	ن ج و (افعال)	فعل مضارع	صیغہ واحد مونث غائب	وہ چھٹکارہ دلائے گی

نحوی ترکیب :

عَنْ	ابْنِ عَبَّاسٍ	قَالَ	ضَرَبَ	بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ	خِبَاءَهُ	عَلَى قَبْرٍ
-	مضاف+مضاف الیہ	-	-	مرکب اضافی	مرکب اضافی	جار مجرور
حرف جار	مجرور	-	فعل ماضی	فاعل	مفعول	متعلق
متعلق محذوف		فعل ماضی+فاعل (ھو)	مفعول			
-		جملہ فعلیہ				

وَ	هُوَ	لَا يَحْسِبُ	أَنَّهُ	قَبْرٌ
حالیہ	-	-	حرف مشبہ بالفعل+اسم اَن	خبر اَن
-	-	لائے نفی+فعل مضارع+فاعل (ھو)	مفعول	
-	مبتداء	خبر		
جملہ اسمیہ حال بن رہا ہے بعض أصحاب النبی کا				

فَإِذَا	فِيهِ	إِنْسَانٌ	يَقْرَأُ	سُورَةَ	تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ	حَتَّى	خَتَمَهَا
حرف عطف + اذا الفجائیۃ	جار مجرور	-	-	مضاف	مضاف الیہ	حرف غایہ	فعل ماضی+فاعل (ھو) + مفعول
-	خبر مقدم	مبتداء موخر	فعل مضارع+فاعل (ھو)	مفعول		متعلق	
-	جملہ اسمیہ		جملہ فعلیہ صفت ہے انسان کی				

فَ	أَتَى	النَّبِيَّ	فَ	قَالَ	يَا	رَسُولَ	اللَّهِ
حرف عطف	فعل ماضی+فاعل (ھو)	مفعول	حرف عطف	فعل ماضی+فاعل (ھو)		مضاف	مضاف الیہ
-	جملہ فعلیہ		-	-	حرف نداء	منادیٰ	

إِنِّي	ضَرَبْتُ	خِبَائِي	عَلَى قَبْرٍ	وَ	أَنَا	لَا أَحْسِبُ	أَنَّهُ	قَبْرٌ
-	-	مضاف+مضاف الیہ	جار مجرور	حالیہ	-	-	حرف مشبہ بالفعل+اسم ان	خبر ان
-	فعل ماضی+ فاعل اَنا	مفعول	متعلق	-	-	لائے نفی+فعل مضارع+فاعل (انا)	مفعول	
-	جملہ فعلیہ			-	مبتداء	جملہ فعلیہ (خبر اَنا)		
حرف مشبہ بالفعل+اسم ان	خبر ان			-	جملہ اسمیہ حال بن رہا ہے اَنا ضمیر کا			

فَإِذَا	فِيهِ	إِنْسَانٌ	يَقْرَأُ	سُورَةَ	تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ	حَتَّى	خَتَمَهَا
حرف عطف+ اذا الفجائیۃ	جار مجرور			مضاف	مضاف الیہ	حرف غایہ	فعل ماضی + فاعل (ھو)+ مفعول
	خبر مقدم	مبتداء موخر	فعل مضارع+فاعل (ھو)	مفعول		متعلق	
	جملہ اسمیہ		جملہ فعلیہ صفت ہے انسان کی				

فَ	قَالَ	رَسُولُ اللَّهِ	هِيَ	الْمَانِعَةُ	هِيَ	الْمُنْجِيَةُ	تُنْجِيهِ	مِنْ	عَذَابِ الْقَبْرِ
حرف عطف	-	مضاف+مضاف الیہ	مبتداء	خبر	مبتداء	خبر	فعل مضارع+ فاعل ھی+ مفعول	-	مضاف+مضاف الیہ

-	-	-	جملہ اسمیہ	جملہ اسمیہ	-	جار	مجرور
-	-	-	-	-	-	متعلق	
-	-	-	-	-	جملہ فعلیہ حال ہے المنجیة کا		
-	فعل ماضی	فاعل	مفعول ہے فعل قال کا				

2-عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ سُورَةً مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتَّى غُفِرَ لَهُ وَهِيَ سُورَةُ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی ایک سورت ہے. جس کی تیس آیات ہیں یہ سورت آدمی کے حق میں سفارش کرے گی یہاں تک کہ اس آدمی کو معاف کردیا جائے گا اور وہ سورت سورۃ الملک ہے۔

لغوی وصرفی تحقیق:

شَفَعَتْ	ش ف ع (ف)	فعل ماضی	صیغہ واحد مونث غائب	اُس نے سفارش کی
غُفِرَ	غ ف ر (ض)	فعل ماضی مجہول	صیغہ واحد مذکر غائب	اُس کی مغفرت کی گئی

نحوی ترکیب:

عَنْ	أَبِي هُرَيْرَةَ	عَنِ	النَّبِيِّ
-	مضاف+مضاف الیہ	حرف جار	مجرور
حرف جار	مجرور	-	-
متعلق محذوف		متعلق محذوف	

قَالَ	إِنَّ	سُورَةً	مِنَ الْقُرْآنِ	ثَلَاثُونَ آيَةً
فعل ماضی+فاعل (ھو)	-	-	جار+مجرور	عدد+معدود
-	-	موصوف	صفت	-
-	حرف مشبہ بالفعل	اسم ان		خبران
-	جملہ اسمیہ تاکیدیہ (مفعول ہے قال فعل کا)			

شَفَعَتْ	لِرَجُلٍ	حَتَّى	غُفِرَ	لَهُ
-	جار+مجرور	-	-	جار+مجرور
-		حرف غایہ	فعل ماضی مجہول (نائب فاعل محذوف)	متعلق
فعل ماضی+فاعل (ھی)	متعلق	متعلق		
جملہ فعلیہ صفت ہے آیت کی				

وَ	هِيَ	سُورَةُ	تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ
حرف عطف	-	مضاف	مضاف الیہ
-	مبتداء	خبر	
-	جملہ اسمیہ عطف ہے ماقبل کے جملے پر		

(۔۔۔جاری ہے)

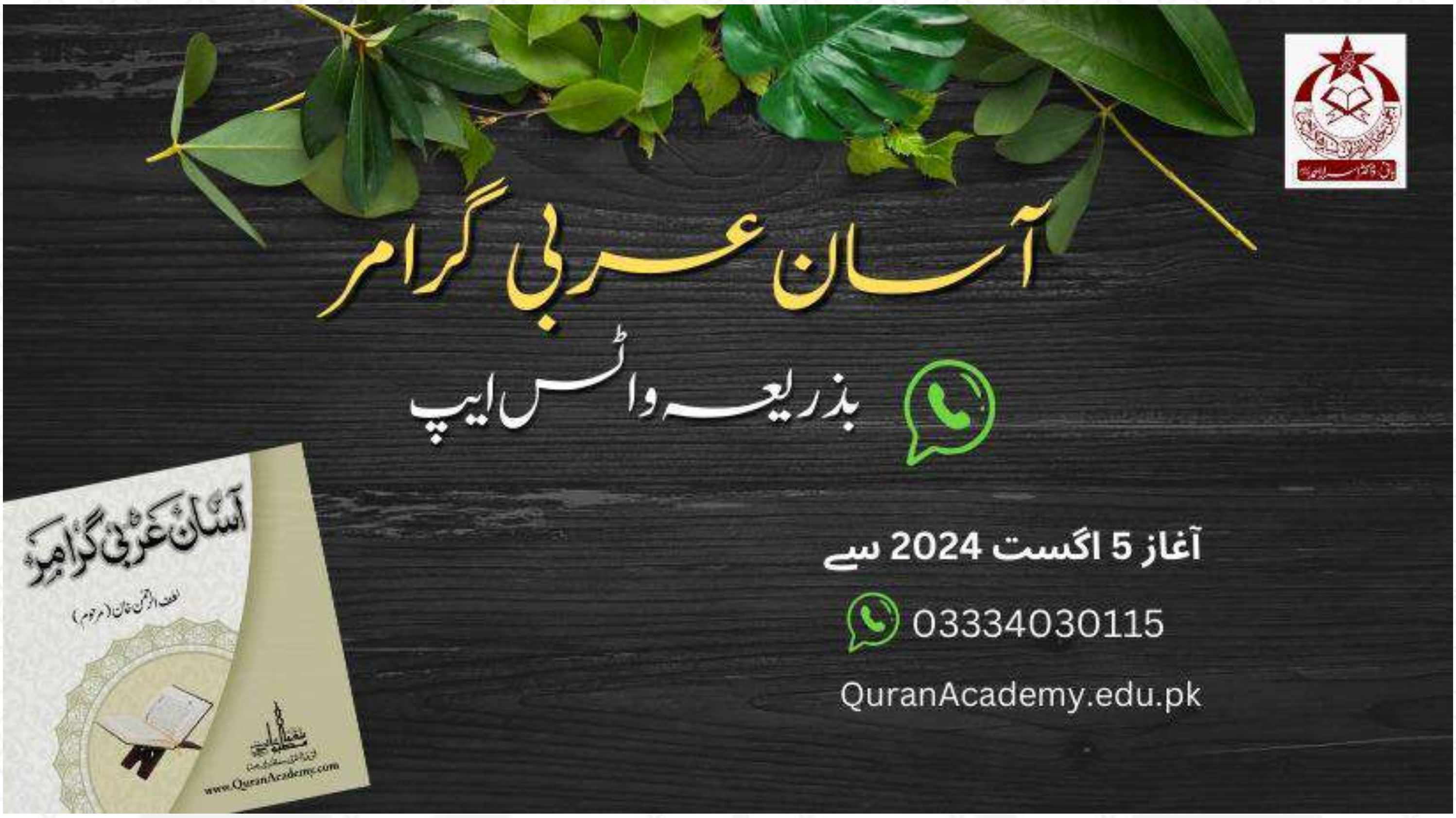

آسان عربی گرامر
بذریعہ واٹس ایپ
آغاز 5 اگست 2024 سے
03334030115
QuranAcademy.edu.pk
آسان عربی گرامر
www.QuranAcademy.com

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ سورۃ ق:45
اندرون و بیرونِ ملک مقیم افراد کے لیے
بنیادی دینی علوم کے حصول کا نادر موقع
آن لائن
آن لائن
فہم دین کورسز
آغاز
08 جولائی 2024ء
ترجمہ و تذکیر قرآن
سیرت النبی ﷺ
نماز و آخری دس سورتیں مع تجوید
قصص النبیین
تذکیر بالقرآن سورۃ الفاتحہ و البقرہ (سندھی)
قرآن حکیم کی صرفی و نحوی تحلیل
پیر، منگل، بدھ، ہفتہ، اتوار
اوقات تدریس
دوپہر 02:00 تا شام 05:00
آغاز
01 جولائی 2024ء
آسان عربی گرامر
قرآن حکیم کا منتخب نصاب
آسان قرآنی عربی (سندھی)
تجوید
تاریخ امت مسلمہ
پیر، منگل، بدھ
اوقات تدریس
دوپہر 02:00 تا شام 06:00
For Registration
Lms.QuranAcademy.com
or
Scan QR Code
+92-319-3171861
info@QuranAcademy.com

فجور و تقویٰ اور حیات انسانی

راحیل گوہر صدیقی

معاون شعبہ تصنیف و تالیف، قرآن اکیڈمی یاسین آباد

اس دنیا میں خوشی اور غم کے پیمانے ہر شخص کے لیے الگ ہیں، اکثر ایک کی خوشی دوسرے کے لیے غم کا یا دکھ کا باعث بنتی ہے۔ اسی طرح ہر انسان کے نزدیک خیر اور شر کے پیمانے اور اس کے احساسات جدا جدا ہیں۔ بظاہر تو خیر وہ ہے جو انسانوں کی اجتماعیت کے لیے پسندیدہ اور قابلِ قبول ہو جب کہ اس کی معکوس شکل سوادِ اعظم کے لیے ناقابل قبول اور کراہیت آمیز ہو۔ دراصل انسان خیر و شر دونوں کی بیک وقت صلاحیتوں کا حامل ہے جو بلاواسطہ ربّ کائنات سے انسان کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ اور فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا اس کی دلیل ہے۔

اس دنیا میں انسان کے افعال کی دو ہی صورتیں ہیں فطری اور اخلاقی یا دیگر الفاظ میں اعضا کے افعال اور دل کے افعال۔ چنانچہ ہمارا عمل اسی صورت میں اخلاقی ہو سکتا ہے جب کہ ہم اسے حالتِ اختیار میں کریں نہ کہ کسی کے دباؤ کے زیر اثر۔ اخلاقی فعل انسان کی اکتسابی مِلک ہے، اس کے برخلاف علم وہبی ہے جو کچھ تو وحی کے ذریعے سے اور کچھ روشنی طبع سے عطا ہوا ہے۔ اگرچہ نزولِ وحی سے پہلے بھی انسان پر یہ فرض تھا کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے، خیر و شر میں تمیز کرے، نیکی، سچائی اور عدل کی زندگی بسر کرے۔ سمیع و بصیر ہونے کی صلاحیت نے انسان کو عبدیت و اطاعت کا مکلف بنایا ہے۔

قدرت نے انسان کے وجود میں فجور و تقویٰ کا مادّہ رکھ کر اور اسے ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر دنیا میں بھیجا ہے۔ اب انسان کے اپنے اوپر ہے کہ وہ اچھائی اور برائی میں سے کس راستے کا انتخاب کرتا ہے اور زندگی کس ڈھب پر اور کن طریقوں پر گزارتا ہے۔ انسان کا طرزِ زندگی دراصل عکس ہوتا ہے اس کی فکر اور سوچ کا، انسان کے کردار پر اس کی سوچ کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ جس طرح کے عقائد و نظریات ہوں گے، اعمال بھی اسی کے مطابق ہوں گے۔ گویا انسان کا نظریہ زندگی ہی اس کے تمام اعمال و افکار پر حکمرانی کرتا ہے۔

ماہرینِ نفسیات کہتے ہیں کہ انسانی سوچ ایک اندرونی و ذہنی عمل ہے جس میں چیزوں اور واقعات کو مختلف انداز میں ترتیب دیا جاتا ہے۔ یعنی سوچ ایک داخلی عمل ہے جو فرد کے ماضی کے تجربات، موجودہ حالات اور انسان کی اندرونی کیفیات سے متعین ہوتا ہے۔ انسان حیوان سے اسی بنا پر فائق ہے کہ حیوانات میں شعور ہے، عقل نہیں ہے۔ جب کہ انسان میں عقل بھی ہے اور شعور بھی! چنانچہ اسی عقل و شعور کے امتزاج سے انسان غور و فکر کے مراحل طے کر کے اپنے لیے ہدایت کا راستہ تلاش کر لیتا ہے۔ تاریخِ انسانی میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس حقیقت کا بہترین نمونہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی غور و فکر کے مدارج طے کر کے ہی ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت حاصل کی اور وہ بالآخر راہِ ہدایت سے فیض یاب ہوئے۔

مذکورہ بالا تمام حقائق کے علاوہ ایک اور بھی حقیقتِ نفس الامری ہے کہ انسان کے افکار و اعمال میں خیر و شر پھیلانے میں معاشرے کا بھی بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ ایک طرف جہاں معاشرہ کی کچھ سعید ہستیاں انسانوں میں اعلیٰ اخلاق اور مہذب طرزِ زندگی کی راہ دکھاتی ہیں ان کی دنیا و دین کی بھلائیوں سے ان کے دامن بھرتی رہتی ہیں ــــ وہاں دوسری طرف معاشرہ کے ناسور اپنی خباثتوں اور مجرمانہ ذہنیت کے تحت ایک تناؤ، خلفشار

اور اخلاقی قدروں کی پامالی کا سبب بنتے ہیں۔ ان کے راہ و رسم اور طرزِ عمل میں حق تلفیاں، نا انصافیاں، جبر و استبداد اور عصبیت پسندی کی روش نمایاں ہوتی ہے جس سے سماج میں ایک ہیجان اور احساسِ محرومی کی تلخیوں کا زہر انسان کی رگوں میں سرایت کر رہا ہوتا ہے جو معاشرہ میں مایوسیوں اور منفی سوچوں کا اندھیرا پھیلا رہا ہوتا ہے اور یہ سب انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر ہوتا ہے۔

خیر و شر کی دو ممکنہ صورتیں ظہور پذیر ہو سکتی ہیں۔ ایک فاعلی صورت اور دوسری مفعولی۔ فاعلی صورت میں ہم کسی کو خیر مہیا کر رہے ہوتے ہیں اور مفعولی حالت میں ہم خود کسی ذریعے یا وسیلے سے خیر حاصل کرتے ہیں۔ بعینہٖ شر اور فساد کو پھیلانے میں بھی ہم کبھی فاعلی اور کبھی مفعولی کا کردار ادا کرتے ہیں۔ دانستہ یا نادانستہ دونوں کیفیات میں ہم سے یہ اعمال صادر ہوتے ہیں۔ اس بات کو ایک اور پیرائے میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہم اس دنیا میں اپنے طرزِ عمل سے اپنے اردگرد کے لوگوں کو تہذیب، انسانیت اور اعلیٰ قدروں سے قریب کر رہے ہوتے ہیں یا انھیں ان سب سے دور۔ دراصل ایک تبلیغ خاموشی کی زبان سے بھی ہوتی ہے، جسے بدن بولی کہتے ہیں، جب کہ بسا اوقات بڑے بڑے علمی، ادبی مذہبی مباحث، فکری مقالات اور مکالماتِ افلاطون بھی بے تاثیر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ تربیت پیدا شدہ حالات کے درمیان رہ نمائی کے ذریعہ سے کی جاتی ہے نہ کہ مجرد قسم کی وعظ خوانی کے ذریعہ۔ بقولِ شاعر:

واعظ کے پند سے دل پہ اثر کیا خاک ہو
خواہشِ دل اور ہے طرزِ بیان کچھ اور

جب تک سماجی روایت نہ بدلیں محض قانون بنانے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ دنیا کا قانون طبیعی طور پر تو نتیجہ خیز ہو سکتا ہے مگر اخلاقی طور پر فکر اور نظریے کو بدلے بغیر ثمر ور نہیں ہو سکتا ہم جس دنیا میں رہتے ہیں وہ اسباب و علل کی دنیا ہے، دنیا میں پیش آنے والے واقعات و حادثات کسی نہ کسی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔ اس میں کچھ انسانوں کا اور کچھ تکوینی مصلحتوں کا عمل دخل ہوتا ہے۔ لیکن ہر انسان اپنے ساتھ پیش آنے والے ناخوش گوار حالات کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہراتا ہے۔ اپنا محاسبہ کرنا اس کے حاشیہ خیال میں ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر خیال آ بھی جائے اس کا برملا اظہار کرنے کی جرأت ہی اس میں نہیں ہوتی اور وہ حالات کی گتھی کو کبھی سلجھا نہیں پاتا۔ فطری حالت میں انسان علم سے خالی ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"اور اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے شکم سے پیدا کیا جب کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور اس نے تم کو کان اور آنکھیں اور دل (اور ان کے علاوہ اور اعضا) بخشے تاکہ تم شکر ادا کرو۔" (النحل: 78)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ پیدائش کے وقت بچے کا ذہن یکسر صاف ہوتا ہے، ماسوا اس کی جبلی ضرورتوں، بھوک، نیند، موت وغیرہ جب کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ اپنے اندر استعداداتِ علم (Faculties of Knowledge)، سماعت و بصارت اور سوچنے والا دل بھی لے کر دنیا میں آتا ہے۔ چنانچہ یہ جبلّی صلاحیتیں اس کا جوہر ہوتی ہیں اور ان استعداداتِ علم کو تصرف میں لا کر اس کی شخصیت پروان چڑھتی ہے۔ اور اس کے نظریات، عقائد اور اخلاقی تصورات تشکیل پاتے ہیں۔

ہر انسان کے اندر ایک آدمی بھی ہوتا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ کچھ لوگوں میں آدمیت کا غلبہ ہوتا ہے اور کچھ میں انسانیت کا ترفع۔ شعورِ ذات کا صحیح ادراک آدمی کو انسان کے درجہ پر فائز کرتا ہے اور پھر وہ اپنی بالقوہ استعدادات و صلاحیتوں کی کشادہ پگڈنڈیوں پر اپنے لیے وہ راہ اختیار کرتا

ہے جواسے اپنے خالق و پالن ہار تک پہنچنے کے لیے روشنی فراہم کرتی ہے۔ جب کہ محض آدمیت کا رنگ انسانی شخصیت کو مادی لذتوں کا اسیر بنا دیتا ہے۔ اس لیے ہر آدمی کو اپنے باطن میں جھانک کر اپنا مقصدِ زندگی کو سمجھنا ناگزیر ہے۔ خیر و شر یا فجور و تقویٰ کا اصل پیمانہ عقل و خرد کی روشنی میں ہی واضح نظر آسکتا ہے، ورنہ نفس کی خواہشات کے ابھرتے تقاضے آدمی کو انسان بننے نہیں دیتے۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی "اخلاق اور فلسفہ اخلاق" میں لکھتے ہیں:

"انسان اپنے نفس کی گہرائی میں ایک قوت محسوس کرتا ہے جو اس کو برے کام سے اس وقت روکتی ہے جب وہ اس کو کرنے پر ترغیب دیا جاتا ہے اور وہ برابر اس کے درپے رہتی ہے کہ کسی طرح وہ اُس عمل کو نہ کرنے دے۔ اور وہ جب اس عمل کے کرنے پر اصرار کرنے لگتا ہے اور اس کو شروع کر دیتا ہے تو وہ اثناء عمل میں محسوس کرتا ہے کہ اس قوت کے اثر کو نہ ماننے کی وجہ سے اُس کو راحت و سکونِ قلب حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح یہ قوت اُس کو واجب اور ضروری اعمال کا حکم دیتی ہے اور اگر وہ حکم کے زیرِ اثر اس کام کو کرنے لگتا ہے تو اس عمل کے دوام و استمرار پر اُس کو بہادر بناتی ہے اور جب وہ اس کو مکمل کر لیتا ہے تو اطمینان اور راحت پاتا ہے اور نفس کی رفعت و بلندی کو محسوس کرتا ہے۔ ایسی آمر و ناہی (حکم کرنے اور منع کرنے والی) قوت کا نام "وجدان یا ضمیر ہے"۔"

انسانی نفس کا صدور روحِ مطلق سے ہوا ہے اور تمام افراد کی روحیں مل کر ایک جوہر بناتی ہیں جسے انسان مطلق یا روحِ انسانیت کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ہر روح مادّے کے اندر شامل ہے اور بتدریج غیر مادی بنتی ہے۔ اس کام کے لیے بہت سی صلاحتیں اور قوتیں موجود ہیں۔ ان میں نظری قوتیں سب سے برتر ہیں کیونکہ علم ہی روح کی جان ہے۔ انسان کے افعال نیک اس وقت کہلاتے ہیں جب وہ اپنی فطرت اصلی کی پیروی کرتا ہے جو قابل تحسین نفس کا آزاد عمل ہے۔ پسندیدہ کام وہ ہے جو عقلی غور و فکر کے بعد کیا جائے اور مستحق جزا یعنی عالمِ افلاک میں پہنچا دینے والی کائنات کے ناموسِ الٰہی کی پابندی ہے۔ اس کے لیے ناگزیر ہے کہ قلبِ انسانی میں روحانی ترقی طلب ہو اس لیے سب سے افضل نیکی محبت ہے جو محبوبِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ سے وصل کی طالب اور آرزو کے اثر کے تحت انسان اس دنیوی زندگی میں مذہبی رواداری سے کام لیتا ہے، مخلوق کا درد اسے اپنا درد محسوس ہوتا ہے اور وہ ہر برائی کو احسن طریق پر دور کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ قرآن حکیم کے اس حکم کے بموجب:

"اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔ اور یہ بات ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں۔ اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔" (حٰم السجدہ: 35 - 34)

خیر و شر یا فجور و تقویٰ کے مسئلے کو اس کے اصل تناظر میں سمجھنے کے لیے مجرد ہمارا فہم علم اور سطحی مشاہدہ کافی نہیں ہے۔ انسان کو ودیعت کیے ہوئے حواسِ خمسہ نے بلاشبہ کائنات کی بہت ساری گتھیوں کو سلجھا کر اس کو زندگی کی سہولتیں اور محیر العقول ایجادات و اختراعات سے نوازا ہے اس لیے عقل کی اہمیت سے کلی طور پر انکار ممکن نہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت ساتھ نہ ہو تو بہت سے عقدے نہیں کھل پاتے اور انسان لاعلمی کے اندھیروں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم ملا ہے اس کی قلت اور محدودیت کا اعتراف تو انسان ہی نہیں فرشتوں نے بھی کیا ہے۔ قرآن حکیم میں ملائکہ کا یہ قول نقل ہوا ہے:

"انہوں نے کہا تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بے شک تو دانا (اور حکمت والا ہے)۔" (البقرۃ: 32)

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں خیر و شر کے فلسفے کو اسلام کے نقطۂ نظر سے بھی دیکھنا چاہیے۔ خالق ارض و سما نے ہر انسان میں حکمت و مصلحت اور تکوینی اسرار کے تحت خیر و شر کے داعیات رکھے ہیں۔ اس کا ایک جواب تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

"اور (قسم ہے) انسانی جان کی اور اس کی جس نے اسے سنوارا، پھر اس کے دل میں وہ بات بھی ڈال دی جو اس کے لیے بدکاری ہے۔ اور وہ بھی جو اس کے لیے پرہیزگاری ہے، فلاح اسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے اور نامراد ہوگا وہ جو اس (گناہ میں) دھنسا دے۔" (الشّمس: 10 – 7)

دراصل ہمیں اس عالمِ رنگ و بو میں جو شر نظر آتا ہے اس میں بھی کوئی نہ کوئی خیر کا پہلو پوشیدہ ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ اس لیے کہ زندگی کے اسرار و رموز کو سمجھنے کے لیے بصارت کی نہیں بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل سورۃ البقرہ آیت 216 میں بیان ہوئی ہے:

"یہ عین ممکن ہے کہ ایک چیز کو تم برا سمجھو حالاں کہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، حالاں کہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو (اصل حقیقت تو اللہ) جانتا ہے تم نہیں جانتے۔"

الشیخ ابن العربی نے اپنی تصنیف "فُصوص الحکم" میں لکھا ہے: "اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کی چشمِ بصیرت ایسی نہیں کھولی کہ اشیا کی فطرت اور ان کی حالتِ نفس الامری کو جانتا ہو کیونکہ بعض اقتضائے عین سے عالم ہیں اور بعض جاہل۔ اسی لیے نہ سب کی ہدایت چاہی نہ سب کی اور نہ سب کی ہدایت چاہے گا۔"

ابنِ رشد الکشف عن مناھج الادلۃ فی عقائد الملۃ میں لکھتے ہیں:

"انسان نہ آزاد مطلق و کامل مختار ہے اور نہ مجبورِ محض! انسان کے نفس میں آزادی کی تکمیل ہوتی ہے لیکن وہ خارجی حالات کی وجہ سے محدود رہتی ہے۔ اس طرح ہمارے افعال کی علت مؤثرہ خود ہم ہیں، کیوں کہ جو قوت ہم کو اپنی طرف کھینچتی ہے وہ ایک علیحدہ مستقل وجود رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے افعال میں آزادی دی ہے مگر خارجی اسباب سے اسے محدود کر دیا ہے۔"

بندہ مومن کا ایمان و یقین اس بات پر ہونا چاہیے کہ یہ دنیا اور اس کی اپنی زندگی ابدی اور غیر فانی نہیں ہے۔ اس لیے یہاں کی خیر و بھلائی، عیش و آرام، دنیاوی نعمتوں کو ایک دن ختم ہو جانا ہے۔ اور شر کا وجود اور اس کا پھیلاؤ بھی عارضی ہے، یہاں کی تکلیفیں، اذیتیں، ناانصافیاں اور ظلم و ستم بھی ایک دن فنا ہونے والا ہے۔ اور ان تمام کُلفتوں، محرومیوں اور تلخیوں کا بہترین بدل آخرت میں ملنا یقینی ہے۔ جس کو ان حقائق پر تیقن حاصل ہو گیا اس کے لیے اس دنیا میں نہ کوئی غم باقی رہے گا اور نہ کوئی خوف! آزمائش مقصود نہ ہوتی تو نہ شر ہوتا نہ خیر کا کوئی تصور اور نہ موت و زندگی کا یہ سلسلہ تخلیق کیا جاتا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

"اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔ اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔" (الملک: 02)

خیر ہو یا شر دونوں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔ چنانچہ ایک بندۂ مومن کا کام اللہ کی رضا اور اس کے فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کر دینا ہی بندگی کی شان ہے۔ شر کے پردے میں حکمت الٰہی کو سمجھنے کی جہدِ مسلسل انجام کار ایک دن ذہن کے پرت کھول کر حقیقت سے پردہ اٹھا ہی دیتی ہے اور انسان حینِ حیات اس گردابِ ریب و تردد اور ورطۂ حیرت سے باہر نکل آتا ہے۔

میرا لہو اب بھی بہہ رہا ہے

ڈاکٹر مقبول احمد مکی

مدیر، ماہنامہ اسوۂ حسنہ، جامعہ ابی بکر الاسلامیہ، کراچی

وطنِ عزیز میں عصر حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ امن وامان کا ہے کہ ہر طرف انسانیت کی تذلیل، قتل وغارت گری دن دہاڑے، مال اور عزت کا لٹ جانا، دہشت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ جبکہ قبل الاسلام دورِ جہالت میں، جب ابھی رحمۃ للعالمین کا ظہور نہیں ہوا تھا تو اس وقت بھی معاشرے کا سب سے بڑا اور گھمبیر مسئلہ امن وامان کا تھا۔ نہ کسی کی جان محفوظ تھی، نہ ہی عزت ومال۔

"لاالہ الااللہ" وہ مقدس کلمہ ہے کہ جس نے ان تاریک معاشروں میں امن وامید ایک نئی صبح ظاہر کردی تھی۔ نبی رحمت ﷺ کے آنے کے بعد ظلم وستم اور دہشت گردی کے بادل چھٹنا شروع ہوگئے اور لوگ اس "امن والے دین" کی امان میں آنے لگے۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمانِ ربانی سن لیا تھا۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ (المائدۃ: 32)

ترجمہ: "جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا زمین میں فساد کرنے کی سزا دی جائے تو گویا اس (قاتل) نے تمام لوگوں کو قتل کردیا اور جو شخص کسی ایک شخص کی جان بچالے گویا کہ اس نے تمام لوگوں کی جان بچالی۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ احترام آدمیت کا درس دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک انسان کی اتنی قدر وقیمت ہے کہ اگر کسی نے ناحق وناجائز کسی انسان چاہے وہ مسلمان نہ بھی ہو خون بہایا گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کرڈالا، کیونکہ وہ ایک فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیاتِ انسانی کے احترام اور ہمدردیِ نوعِ انسانی کے جذبے سے خالی ہے لہذا وہ پوری انسانیت کا دشمن اور قاتل ہے کیونکہ اس کے اندر وہ درندہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر افراد انسانی میں پائی جائے تو پوری انسانیت کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اس کے برعکس جو شخص انسانی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کی بقا کا انحصار ہے اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ یوں ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ . (الحجرات: 13)

ترجمہ: "جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کرڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

مندرجہ ذیل شعر پاکستانی معاشرے کی بھرپور عکاسی کر رہا ہے:

بند کر لیا ہے سپیروں نے سانپوں کو یہ کہہ کر
انسان ہی کافی ہے انسان کو ڈسنے کے لیے

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مومن کی کیا شان ہے اگر اس کو کوئی ناحق قتل کرے تو اس کے لیے پانچ سخت ترین وعیدیں بیان کی جارہی ہیں:

1-اس کی سزا جہنم ہے۔

2-وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

3-اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔

4-اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

5-اور اُس کے لیے اس کی ان سب سزاؤں سے بڑھ کر سخت ترین عذاب تیار کیا گیا ہے۔

ان آیات کی تصدیق رسول اکرم ﷺ بھی فرمارہے ہیں:

كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللهُ أَنْ يَغْفِرَهُ اِلَّا الرَّجُلُ يَقْتُلُ الْمُؤمِنَ مُتَعَمِّدًا أَوِ الرَّجُلُ يَمُوْتُ كَافِرًا. (سنن النسائی، رقم الحدیث: 3989)

"ہر گناہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ معاف فرمادیں گے مگر جس آدمی نے کسی کو ناحق جان بوجھ کر قتل کیا ہوگا اس کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا، یا وہ شخص کافر ہو کر مرے۔"

ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو جانتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں اور رسول اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ کو بھی سمجھتے ہیں مگر پھر بھی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے خون کا پیاسا ہے مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جارہا ہے اس دور میں تو یہ کہاوت بھی زبان زد عام ہوگئی ہے کہ "پانی مہنگا ہے جب کہ انسانی جان سستی"۔

ہم اس قدر سنگ دل اور بے رحم اور سفّاک بن گئے ہیں کہ آئے دن سانحات پر سانحات رونما ہو رہے ہیں، کبھی 12 مئی کا دل خراش حادثہ، کبھی 9 اپریل 2008 کا دلسوز واقعہ کہ جس میں زندہ انسانوں کو جلا کر راکھ کر دیا گیا، اور کبھی معصوم راہ گیروں کو نشانہ بنایا جاتا ہے تو کبھی صحافی برادری کا قتل عام کیا جاتا ہے۔ معلوم نہیں ابھی اور کتنے سانحات سے واسطہ پڑنا باقی ہے مگر لمحہ فکریہ یہ ہے کہ مسلمان اتنا پتھر دل ہوگیا ہے اس طرح کی درندگی پر کیوں اتر آیا ہے اور اپنے پیارے پیغمبر مصطفی علیہ الصلاۃ والسلام کے فرمان پاک کو بھی نہیں مانتا:

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ. (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2564)

"ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان کے لیے اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے۔"

رسول معظم ﷺ نے یہاں تک فرمادیا کہ:

لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ وَأَهْلَ الْأَرْضِ اشْتَرَكُوا فِي دَمِ مُؤْمِنٍ، لَأَكَبَّهُمُ اللَّهُ فِي النَّارِ.(سنن الترمذی، رقم الحدیث: 1398)

"اگر زمین و آسمان کے سب لوگ ایک مومن کے قتل میں شریک بھی ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں ڈال دیں گے۔"

آج کا مسلمان اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب کا یہ فرمان بھی بھول گیا ہے کہ آپ ﷺ نے (خطبہ حجۃ الوداع) میں فرمایا تھا: "تم پر ایک دوسرے

کے خون، مال اور آبرو اس طرح حرام کر دی گئی ہیں جس طرح تمہارے اس دن (یوم نحر) کی تمہارے اس شہر (مکہ) کی اور تمہارے اس مہینہ (ذوالحجہ) کی حرمت ہے، نیز فرمایا کہ میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا۔" (صحيح البخاری رقم الحديث: 6785)

گویا مسلمان کا ایک دوسرے کو قتل کرنا کفر کے مترادف ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"جب دو مسلمان تلوار لے کر باہم لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ تو قاتل تھا، مقتول کا کیا قصور ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل کے درپے تھا۔" (صحيح البخاری، رقم الحديث: 6875)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) تین آدمیوں پر سب سے زیادہ غضب ناک ہوگا۔

1-حرم شریف (یعنی مکہ) میں ظلم کرنے والا۔

2-اسلام میں طریقہ جاہلیت کا متلاشی۔

3-اور ناحق کسی کا خون بہانے کا طالب۔" (صحيح البخاری، رقم الحديث: 6882)

ان مذکورہ بالا نصوص سے احترام انسانیت اور اکرام آدمیت اور انسانی قدر و منزلت روز روشن کی طرح عیاں ہو رہی ہے انسانی جان کو قتل کرنا تو بہت دور کی بات ہے کسی کو اپنے سے کمتر اور حقیر جاننا یہ گناہ ہی اس کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے جب کہ رسول اکرم ﷺ نے تو مسلمان کی پہچان ہی یہ بتائی ہے کہ:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.(صحيح البخاری، رقم الحديث: 10)

"مسلمان تو وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان کی تکلیف سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

آج ہم کیسے مسلمان ہیں کہ ہماری بندوقوں کا رخ دفاع اسلام کی بجائے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی طرف ہو چکا ہے، ظلم و زیادتی کا بازار گرم ہے اور نفرتوں کے بیج بوئے جا رہے ہیں اور اپنی عاقبت کو برباد کیا جا رہا ہے جبکہ اسلام تو خدمت، ایثار اور عدل و احسان کا دوسرا نام اس لیے ہے کہ وہ ایسے انسان تیار کرنا چاہتا ہے جو ان صفات سے متصف ہوں، جن کی لذت خدمت انسانی میں، دولت قناعت میں، رفعت محبت میں اور مسرت عبادت میں ہو، جو شرم و حیا اور عدل و فضل کے پیکر ہوں جو بغض اور حسد، حرص و نفرت اور خود غرضی و عیاشی سے پاک ہوں جو تمام مسلمانوں کو ایک کنبہ سمجھتے ہوں اور نسل و رنگ کی قیود سے بالاتر ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا کو دارالسلام بنا سکتے ہیں، اقوام و افراد کے باہمی روابط، عدل و میزان کی اساس پر قائم کر سکتے ہیں اور کاروان حیات کو راہ منزل دکھا سکتے ہیں اگر ایسے لوگ آگے نہ آئے تو پھر یہی ہوگا جو ہو رہا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے، اہل حق علمائے کرام اور اہل حل و عقد کو آگے بڑھنا ہوگا۔ دعوتی و اصلاحی عمل کو تیز کرنا ہوگا اس ظلم و بربریت کے خوفناک انجام سے آگاہ کرنا ہوگا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کی قرآن و سنت کے زریں اصولوں کے ذریعے اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

توکل علی اللہ کی برکات

حافظ محمد اسد

استاذ قرآن اکیڈمی یاسین آباد

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس دنیا میں بطور آزمائش کے بھیجا ہے۔ قدم قدم پر انسان کی جانچ ہوتی ہے کہ یہ اس "توکل" کی تعریف کے بارے میں ائمہ سلف سے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنے اور مخلوق سے تمام توقعات ہٹا لینے کو "توکل" کہتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس دنیا کو "دارالامتحان" بنایا ہے اور دنیا میں ہر کام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مشیت و رضا ہی سے ہو رہا ہے۔ ہمارا عقیدہ تو یہی ہے کہ ساری دنیا کے انسان مل کر بھی کسی فردِ واحد کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے، جب تک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا حکم نہ ہو۔ لیکن آج کا مسلمان یہ جاننے کے باوجود اپنے طرزِ عمل سے اس حقیقت سے انکاری نظر آتا ہے اور اُسے اپنی صلاحیتوں اور کاوشوں پر اس قدر ناز ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی عطا پر صرف نظر کرتا ہے اور اس ذاتِ عالی صفات عزّوجل کے ان گنت احسانات اور انعامات کو یکلخت فراموش کر دیتا ہے۔ بلکہ اپنی کامیابی اور عروج کا حاصل اپنی ہی فہم و فراست اور عقل و دانش کو قرار دیتا ہے۔ ایسے ہی وہ شخص جو معاشرے کا ناکام ترین آدمی ہے۔ وہ دوسرے لوگوں کو اپنی ناکامی کا ذمہ دار سمجھ کر اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ معاشرے میں عام مشاہدات ہیں کہ بڑے بڑے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان بے روزگاری سے تنگ مارے مارے پھر رہے ہوتے ہیں اور انگوٹھا چھاپ افراد کروڑ پتی یا ارب پتی بن جاتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسباب ترک کر دیے جائیں۔ اسباب تو ہمیں اختیار کرنے چاہئیں، لیکن ہمارا بھروسہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہیے اور یہ عقیدہ پختہ رکھنا چاہیے کہ وہ ذات اسباب کے بغیر بھی چیزوں کو وجود میں لا سکتی ہے اور اسباب کی موجودگی کے باوجود اس کے حکم کے بغیر کوئی بھی چیز وجود میں نہیں آ سکتی۔

"توکل علی اللہ" کی صفت اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بندہ یہ تصوّر کرے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ میرے تمام معاملات کے کفیل ہیں اور پھر یہ سوچے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ علیم و بصیر ہیں، قادرِ مطلق ہیں اور نسیان جیسے امراض سے پاک ہیں۔ ہر نقص و عیب سے منزّہ ہیں۔ جب ہمارے اذہان میں یہ تصوّر دائماً رہے گا تو یقیناً تمام معاملات کے بارے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پر توکل کی حقیقت کا شعور ہمیں حاصل ہو جائے گا۔

البتہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس دنیا کو اسباب کے ساتھ جوڑا ہے۔ جیسے پیاس پانی سے بجھتی ہے۔ بھوک کھانے سے ختم ہوتی ہے اور نیند آرام کرنے سے دور ہوتی ہے۔ لیکن اس بات کا یقین رکھنا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ قادر ہیں کہ بغیر ظاہری اسباب کے تمام کام انجام پا جائیں۔ یہی یقین کامل رکھنا ہمارا امتحان اور آزمائش ہے۔ اگر اسباب کے ساتھ نظر مسبب الاسباب پر رکھی جائے تو کامیابی ملے گی۔ اللہ کے رسول ﷺ سے ہر ہر موقع پر جو مناجات اور دعائیں منقول ہیں۔ ان دعاؤں میں ہر کام کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ جب کھانا

تناول فرماتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِيْ هُوَ أَشْبَعَنَا وَ أَرْوَانَا وَ أَنْعَمَ عَلَيْنَا وَ أَفْضَلَ.(رواہ الحاکم)

"اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے میری بھوک کو مٹایا اور پیاس کو بجھایا اور مجھ پر انعام اور فضل فرمایا۔"

یعنی بھوک تیرے حکم سے مٹی ہے اور پیاس تیرے حکم سے بجھ گئی ہے۔ گویا یہ یقین کامل ہے کہ بھوک اور پیاس، کھانے یا پینے سے نہیں مٹی اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم کھا پی کر بھی سیراب نہیں ہوسکتے تھے۔

اسی طرح جب جناب نبی کریم ﷺ سفر مبارک کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ (الزخرف : 14 - 13)(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 3275)

"پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا۔ حالانکہ ہمیں اسے قابو کرنے کی طاقت نہ تھی، اور بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

یعنی ہر چیز تیرے قبضہ قدرت میں ہے۔ ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں کہ ہم کچھ کر سکیں مگر تیرے اذن سے۔ یہی وہ طریقہ تعلیم تھا جس نے دشمنوں کو دوست بنا دیا۔ جس نے اندھیروں میں پڑے ہوئے لوگوں کو ہدایت کا نور اور راہ نجات عطا فرمائی۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر عبادات، معاملات اور عقائد کے ضمن میں "توکل علی اللہ" کا ذکر لازمی طور پر کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث مبارکہ بھی "توکل" کی اہمیت اور فضائل کو بڑے جامع انداز میں بیان کرتی ہیں۔ خصوصاً معرکہ "غزوہ بدر" کا مطالعہ کریں۔ اس کو حق و باطل کی فیصلہ کن جنگ قرار دیا گیا اور قرآن کریم نے اسے "یوم الفرقان" قرار دیا۔ وہاں کفار کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے وہ بھی جنگی ساز و سامان سے لیس اور مسلمان صرف تین سو تیرہ ہیں اور جنگی ہتھیار بھی میسر نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس معرکہ حق و باطل کے میدان کارزار سے نبرد آزما ہونا ہے۔ اب شیطان اپنے لشکر کو تعداد کے گھمنڈ میں مبتلا کر رہا ہے اور "لا غالب لکم الیوم" (آج کے دن تم پر کوئی غالب نہ ہوگا) کے نعرے لگوا کر دھوکا دے رہا ہے اور دوسری طرف اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے محبوب جناب نبی کریم ﷺ کو اطمینان دلا رہے ہیں کہ آج آپ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ پر بھروسہ کر کے میدان میں اپنے صحابہ کرام کو اتار لیے، ہماری مدد آپ ﷺ کے ساتھ ہے۔

اسی جنگ میں اصحابِ رسول اللہ ﷺ نے جس ایثار و جاں نثاری کا مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے کسی بھی پیغمبر کو ایسے جاں نثار ساتھی نصیب نہ ہوئے۔ جب قریش کی پیش قدمی کی خبریں رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے اپنے رفقا کو مشاورت کے لیے طلب فرمایا۔ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق نے اپنی رائے پیش کی اور رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا کہ وہ جس طرح مناسب سمجھیں کریں۔ ان کے بعد حضرت مقداد بن اسود تھے جو بڑے موثر انداز میں اس طرح گویا ہوئے "اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ وہی کچھ کریں جو آپ کے رب نے سمجھایا ہے۔ خدا کی قسم ہم آپ کے ساتھ ہیں اور اگر آپ ہمیں یمن کی آخری پہاڑی برک الغماد تک بھی لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور پیچھے نہیں رہیں گے۔" (ابن الحق بن الهشام، ابن معد وغیرہ)

اس موقع پر حضرت مقداد بن اسود نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم آپ ﷺ کو وہ جواب نہ دیں گے جو حضرت موسیٰ کی قوم نے حضرت موسیٰ کو دیا تھا

اور ہم آپ سے نہیں کہیں گے کہ آپ کا خدا جائیں اور آپ ۔ بلکہ دشمنوں سے لڑیں گے اور آپ ﷺ کے دائیں بائیں بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 3952)

حضرت مقداد بن عمر کے ان الفاظ سے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک دمک اٹھا اور آپ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی ۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ساری دنیا کے سامنے کھلی کتاب کی طرح عیاں ہے ۔ 313 نیم مسلح مجاہدوں نے پوری مسلح اور جنگی سازوسامان سے آراستہ ایک ہزار کے لشکر کو بہت بری طرح شکست دی اور ایک ایسی عظیم الشان فتح حاصل کی جس نے تاریخ کا رخ ہی بدل دیا۔

حضرات انبیا کرام علیہم السلام کا وہ مقدس گروہ جس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پیغام کو دنیا تک پہنچانے کا فریضہ بحسن وخوبی ادا فرمایا۔ ان کی زندگیاں بھی "توکل علی اللہ" سے عبارت ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء اور رسولوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ (ابراھیم: 12)

"آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ رکھیں جبکہ اسی نے ہمیں ہماری راہیں سمجھائی ہیں ۔ واللہ جو ایذائیں تم ہمیں دو گے ہم ان پر صبر ہی کریں گے ۔ توکل کرنے والوں کو یہی لائق ہے کہ اللہ ہی پر توکل کریں ۔"

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۴﴾ (الممتحنة : 4)

"اے ہمارے پروردگار! تجھ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے ۔"

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۔ (الملک: 29)

"آپ کہہ دیجیے کہ وہی رحمن ہے ہم تو اس پر ایمان لاچکے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے ۔"

نیز نبی رحمت ﷺ اور ان کے پیروکاروں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ (الانفال: 64)

"اے نبی! تجھے اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کو جو تیری پیروی کر رہے ہیں ۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے لیے اور آپ کے پیروکار مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات کافی ہے ، اس کی ذات اقدس کے ساتھ تمہیں کسی اور کی کوئی ضرورت نہیں ۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی سیرت وکردار سے ایسے ہی نمونے پیش فرمائے ، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اطراف نجد میں غزوہ کے لیے گئے تھے ۔ پھر جب نبی کریم ﷺ واپس ہوئے تو وہ بھی واپس ہوئے ۔ قیلولہ کا وقت ایک وادی میں آیا جہاں ببول کے درخت بہت تھے ۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ وہیں اتر گئے اور صحابہ درختوں کے سائے کے لیے پوری وادی میں پھیل گئے ۔ آپ ﷺ نے بھی ایک ببول کے درخت کے نیچے قیام فرمایا اور اپنی تلوار اس درخت پر لٹکا دی ۔ جابر نے بیان کیا کہ ابھی تھوڑی دیر ہمیں سوئے ہوئے ہوئی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں پکارا ۔ ہم جب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ کے پاس ایک بدوی بیٹھا ہوا تھا ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے میری تلوار (مجھ ہی پر) کھینچ لی تھی ، میں اس وقت سویا ہوا تھا ، میری آنکھ کھلی تو میری ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی ۔ اس نے مجھ سے کہا ، تمہیں میرے ہاتھ سے آج کون بچائے گا؟ میں نے تین مرتبہ اللہ

کہا! اب دیکھو یہ بیٹھا ہوا ہے۔ (نبی کریم ﷺ نے اسے پھر کوئی سزا نہیں دی۔) (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 4135)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زندگی توکل علی اللہ کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ آتش نمرود میں ڈالے جانے کا حکم ہوا تو ملائکہ ششدر رہ گئے اور ان کی مدد کرنے کے لیے بے چین ہو گئے کہ اللہ کے خلیل علیہ السلام پر ظلم و ستم ہو اور ہم مدد کو نہ پہنچیں، لہٰذا پانی کے فرشتے نے مدد کی اجازت چاہی، اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی کہ جاؤ اگر ابراہیم علیہ السلام تمہاری مدد لینا قبول کریں تو مدد کر سکتے ہو، وہ فرشتہ آیا اور مدد کر کے پانی سے آگ سرد کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کو اپنی طرف سے بھیجا ہے؟ فرشتے نے کہا: نہیں، بلکہ میں خود اجازت لے کر حاضر ہوا ہوں، یہ سن کر خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا: جب میرے رب کو میرا حال معلوم ہے، پھر بھی اس نے خود نہیں بھیجا ہے تو مجھ کو آپ کی اعانت درکار نہیں، میرا رب میرے حال کو جانتا ہے اور مجھ کو اس کی ذات پر بھروسہ و اعتماد ہے، یہ تھی توکل علی اللہ کی شان۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں ڈالے جانے کے وقت جو آخری بات کہی تھی، وہ "حسبی اللہ و نعم الوکیل" تھی اور یہی جملہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کہا تھا جب لوگوں نے کہا: "بے شک لوگ (دشمن) تمہارے لیے جمع ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرو تو اس بات نے ان کو ایمان میں بڑھا دیا اور کہا: ہمارے لیے اللہ کافی اور وہی بہترین کارساز ہے۔" (بخاری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذہن میں لے آئیے کہ جب فرعون کا لشکر پیچھے تھا اور آگے ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے ساتھیوں کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ موسیٰ اب بتاؤ کیا کریں۔ پکڑ لیے گئے، آگے بحر قلزم ہے پیچھے فرعون کا ٹڈی دل لشکر ہے۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ ظاہر ہے کہ نبی اور غیر نبی کا ایمان یکساں نہیں ہوتا حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت ٹھنڈے دل سے جواب دیتے ہیں۔

قَالَ كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٦٢﴾ (الشعراء: 62)

"(موسیٰ نے) کہا ہرگز نہیں، یقین مانو، میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔"

مطلب یہ کہ گھبراؤ نہیں تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچ سکتی میں اپنی رائے سے تمہیں لے کر نہیں نکلا بلکہ "احکم الحٰکمین" کے حکم سے تمہیں لے کر چلا ہوں۔ وہ وعدہ خلاف نہیں ہے ان کے اگلے حصے پر حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ گھبراہٹ کے مارے اور راہ نہ ملنے کی وجہ سے سارے بنو اسرائیل ہکا بکا ہو کر ٹھہر گئے اور اضطراب کے ساتھ جناب کلیم اللہ سے دریافت کیا کہ اسی راہ پر چلنے کا اللہ کا حکم تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اتنی دیر میں تو فرعون کا لشکر سر پر آ پہنچا۔ اسی وقت پروردگار کی وحی آئی کہ اے نبی اس دریا پر اپنی لکڑی مارو اور پھر میری قدرت کا کرشمہ دیکھو، چنانچہ آپ نے لکڑی مار کر فرمایا اللہ کے حکم سے تو پھٹ اور مجھے چلنے کا راستہ دے دے۔ اسی وقت وہ پھٹ گیا راستے بیچ میں صاف نظر آنے لگے اور اس کے آس پاس پانی بطور پہاڑ کے کھڑا ہو گیا۔ اس میں بارہ راستے نکل آئے بنو اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے۔ پھر قدرت الٰہی سے ہر دو فریق کے درمیان جو پہاڑ حائل تھا اس میں طاق سے بن گئے تاکہ ہر ایک دوسرے کو سلامت روی سے آتا ہوا دیکھے۔ پانی مثل دیواروں کے ہو گیا۔ اور ہوا کو حکم ہوا کہ اس نے درمیان سے پانی کو اور زمین کو خشک کر کے راستے صاف کر دیے، پس اس خشک راستے سے آپ مع اپنی قوم کے بے کھٹکے گزر گئے۔ پھر فرعونیوں کو اللہ تعالیٰ نے دریا سے قریب کر دیا پھر موسیٰ اور بنو اسرائیل اور سب کو تو نجات مل گئی۔ اور باقی سب کافروں کو ہم نے ڈبو دیا نہ اِن میں سے کوئی بچا، نہ اُن میں سے کوئی ڈوبا۔

توکل کی اہمیت اور اُخروی فوائد :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "اگر تم اللہ پر کما حقہ توکل کرتے تو وہ تم کو ایسے رزق دیتا جیسا کہ پرندوں کو دیتا ہے، جو صبح خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس ہوتے ہیں۔" اس حدیث میں بھی اسباب و وسائل اختیار کرنے کی ترغیب "تغدوا خماصا وتروح بطاناً" سے ظاہر ہے کہ پرندہ صبح کو جب اپنے گھونسلہ سے نکلتا ہے تو اسے اپنے رب پر یقین کامل ہوتا ہے کہ میری کوششوں کے بعد اللہ عزوجل جو سب کا رازق ہے مجھے ضرور رزق عطا فرمائے گا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب و عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: "جو آگ سے نہیں دغواتے، جھاڑ پھونک نہیں کرواتے، بدفالی نہیں لیتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔" (متفق علیہ)

ان تمام فضائل قرآن وسنت اور اقوال کی روشنی میں یہ باتیں سمجھنی چاہیے کہ :

۱۔ توکل کرنے والا شخص پر سکون اور اطمینان میں رہتا ہے۔

۲۔ توکل کرنے والا شخص مخلوق سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

۳۔ توکل کرنے والے شخص کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ غیب سے رزق عطا فرماتے ہیں۔

۴۔ توکل کرنے والے شخص کا ایمان محفوظ ہو جاتا ہے۔

۵۔ توکل کرنے والا شخص کو بے شمار بھلائیاں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

۶۔ توکل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ایمان محفوظ ہوجاتا ہے، کیونکہ شیطان جب کسی کے ایمان پر حملہ آور ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پر یقین اور بھروسہ کمزور کر دیتا ہے۔

ہماری کامیابی میں ذہنی اور قلبی سکون کا بہت بڑا کردار ہے، ذہنی اور قلبی طور پر مطمئن شخص عموماً پر سکون اور خوشحال زندگی گزارتا ہے اور "توکل علی اللہ" سے ذہنی و قلبی سکون اور راحت حاصل ہوتی ہے۔ اپنے تمام کاموں کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سپرد کر دیں اور اسی ذات عالی پر کامل بھروسہ کریں۔ جو بے نیاز ہے اور سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم سب کو کامل یقین نصیب فرمائے اور متوکلین میں شامل فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

اسلام اور نباتات

حافظ حذیفہ محمود

استاذ، قرآن اکیڈمی یاسین آباد

اللہ تعالی نے انسان کو پیدا فرما کر زمین پر اسے اپنا خلیفہ بنایا سو انسان کی ذمہ داری صرف بندے کی حیثیت سے اللہ رب العزت کی عبادت کرنا ہی نہیں ہے بلکہ زمین پر اللہ تعالی کے خلیفہ [1] ہونے کی حیثیت سے زمین کے ماحول کی حفاظت بھی اس کے فرائض میں شامل کر دی گئی ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں جہاں ایک طرف عدل و انصاف کا قیام اور پر امن معاشرے کی تشکیل ناگزیر ہے تو وہیں دوسری طرف ایک صحت افزا، ہرے بھرے دلکش و حسین معاشرے کی حتی المقدور جدوجہد بھی اسی خلیفہ ہی کی ذمہ داریوں میں شامل ہے کیونکہ وہ خلیفہ ہی کیا جو اپنے علاقے کی آباد کاری ہی نہ کر سکے! اب چونکہ زمین ہی بنی نوع انسانی کا علاقہ ہے لہذا اس کی آباد کاری کی ذمہ داری بھی ہم انسانوں پر ہی عائد ہوتی ہے چنانچہ ہمارے دین میں بھی شجر کاری اور زراعت کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور اس کے فضائل و احکام بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ جل شانہ نے پودوں کی ساخت کو بھی موضوعِ بحث بنا کر اس کی ہیئتِ ترکیبی سے متعلق گفتگو فرمائی ہے کہ

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ (یس: 36)

"پاک ہے وہ ذات جس نے تمام اقسام کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہو یا خود ان کی جنس میں سے ہو یا ان چیزوں میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں۔"

اسی طرح دوسری جگہ پر فرمایا کہ

وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ (الرعد: 03)

"اسی (اللہ تعالی) نے ہر طرح کے پھولوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔"

ان پودوں اور پھلوں کا اللہ تعالی نے اپنی کتابِ ہدایت میں تذکرہ فرما کر انسان کو شجر کاری اور باغبانی کی اہمیت بتلائی ہے۔ پھر اسی زراعت اور باغبانی کے پیشے کو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ منسلک رکھا گیا ہے چنانچہ حضرت آدم بھی اسی شعبے سے وابستہ تھے اور حضرت سلیمان اور داؤد سے متعلق بھی باغبانی کے قصے کو ہی موضوعِ بحث بنایا گیا ہے نیز نبی رحمت ﷺ کی زبان مبارک سے بھی پودے اگانے اور شجر کاری کرنے کی خوب اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اِلَّا كَانَ مَا اُكِلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ مِنْهُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَتِ الطَّيْرُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَلَا يَرْزَؤُهُ اَحَدٌ اِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ. (متفق علیہ) وَ فِيْ رِوَايَةٍ: وَلَا يَغْرِسُ الْمُسْلِمُ غَرْسًا فَيَأْكُلَ مِنْهُ اِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَاطَيْرٌ اِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (صحيح مسلم، رقم الحديث: 1552)

"جو مسلمان کوئی پودا لگاتا ہے تو اس میں جو کچھ بھی کھایا جاتا ہے تو اس کے لیے وہ صدقہ ہوگا، اس میں سے جو چوری ہو جائے وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوگا، جو درندے کھالیں وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے اور جو پرندے چگ لیں وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے اور اس میں اگر کوئی شخص کچھ کمی بھی کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوگا۔" دوسری روایت میں آتا ہے کہ "مسلمان کوئی پودا لگائے اور اس میں سے کوئی انسان چوپایا اور پرندہ کھالے تو وہ قیامت کے دن اس کے لیے صدقہ ہوگا۔"

سبحان اللہ وبحمدہ! اس حدیث کی رو سے مسلمان شخص کا پودا لگانا بھی اس کے لیے صدقہ جاریہ بتلایا گیا ہے جس کا بدلہ اور ثواب اس کے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گا، پھر دوسری حدیث کے مطابق:

إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ عَنْ مِيتَةِ السُّوءِ. (سنن الترمذی، رقم الحدیث: 664)

"صدقہ رب کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔"

تو معلوم ہوا کہ پودا لگانا اور شجر کاری کرنا بھی اللہ تعالی کے غضب اور بری موت سے نا صرف بچاتے ہیں بلکہ اس کے بدلے اس کی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی اس کو نیکیوں کے گلدستے فراہم کرتے رہتے ہیں۔ پھر فضائل و ثواب کے علاوہ جناب رسالت مآب علیہ الصلاۃ والتسلیم نے شجر کاری اور کھیتی باڑی کا ہمیں حکم بھی تو فرمایا ہے کہ

مَنْ كَانَتْ لَهُ فُضُولُ أَرَضِينَ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيُزْرِعْهَا أَخَاهُ. (سنن ابن ماجة، رقم الحدیث: 2451)

"جس کے پاس فاضل (ضرورت سے زیادہ) زمین ہو تو اسے چاہیے کہ اس میں کھیتی کرے اگر وہ خود اس میں کھیتی نہ کر سکتا ہو تو اپنے بھائی کو وہ قابل کاشت زمین دے دے۔"

اس حدیث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں ضرورت سے زائد زمین پر شجر کاری اور باغبانی کرنی چاہیے تاکہ اس سے انسانوں اور جانوروں کی خوراک کا بھی انتظام ہو اور ان کو ایک قدرتی سائبان اور صحت مند ہوا اور غذا فراہم ہو جائیں۔ شجر کاری کی اہمیت و افادیت حضور ﷺ کی نگاہ میں کیا تھی؟ اس کا اندازہ اس حدیث مبارک سے لگا سکتے ہیں کہ

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَفِي يَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيلَةٌ، فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَّا تَقُومَ حَتَّى يَغْرِسَهَا فَلْيَغْرِسْهَا. (الادب المفرد للامام البخاری، رقم الحدیث: 480 - 479)

"اگر تمہارے ہاتھ میں ایک پودے کی قلم ہے اور تم اسے لگا رہے ہو اور اسی وقت قیامت کا اعلان ہو جائے تو بھی کوشش کرو کہ یہ پودا زمین میں لگا لو۔" اور دوسری حدیث میں یہی مضمون خروج دجال سے متعلق ملتا ہے۔

نیز مسند احمد کی حدیث ہے کہ

مَا مِنْ رَجُلٍ يَغْرِسُ غَرْسًا، إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ قَدْرَ مَا يَخْرُجُ مِنْ ثَمَرِ ذَلِكَ الْغَرْسِ. (رقم الحدیث: 23520)

"جو شخص کوئی درخت یا پودا لگاتا ہے تو اللہ تعالی اس درخت سے حاصل ہونے والے پھل کی مقدار کے برابر اس کے لیے اجر و ثواب لکھ دیتا ہے۔"

قرآن و سنت میں بیان کردہ اجر و ثواب کے علاوہ اگر ہم درختوں اور پودوں کے طبی اور اقتصادی فوائد کی بات کریں تو وہ بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ اگر کوئی گھر، علاقہ اور ریاست اپنی فاضل جگہوں پر پودے اور درخت لگاتی ہے تو اس کے پھل و پھول سے ان کی اقتصادی اور طبی امداد پوری ہوتی

ہے۔ گھر بیٹھے تازہ پھل میسر آتا ہے، جس کی آبیاری اپنے ہاتھوں سے انسان خود کرتا ہے۔ یوں صحت کے ساتھ ساتھ کفایت شعاری کا بھی جذبہ پروان چڑھتا ہے اور معاشرے میں گندگی اور تعفن کا خاتمہ ہوتا ہے، پھول بوٹے اور گیلی مٹی کی دلفریب مہک ان کی جگہ لیتی ہے، سماج فطرت کے قریب آنے لگتا ہے اور لوگ قدرت سے محبت کرنے لگتے ہیں اور مقصودِ شریعت بھی یہی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ (التوبة: 108) "اللہ تعالیٰ پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" اور معاشرے کی پاکیزگی سے افراد کے اندر بھی صفائی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے پھر چاہے ان کی ذات ہو، ان کے گھر گلیاں ہو، پارکس، تفریح گاہیں اور عبادت گاہیں ہوں یا پھر ان کے ہوٹلز الغرض ان کا پورا معاشرہ ہی خوشنما درختوں اور پودوں کی خوشبو سے معطر رہتا ہے، رنگ برنگی پھول پتیاں اور گلدستے ان کو تفریحِ قلب اور سکونِ خاطر کا سامان مہیا کرتے ہیں اور یہی شریعت کی بھی منشا ہے اور فطرت شناسی کا بھی ذریعہ!

بقول علامہ محمد اقبال:

خدا گر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو

سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر

محترم قارئین! ایک طرف تو ہمیں ہماری شریعت نظافت و طہارت کی طرف بلاتی ہے اور دوسری طرف ہم اس سے کوسوں دور بھاگے چلے جاتے ہیں اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ آج یورپ اور مغرب کی تمام متمدن اور ترقی یافتہ اقوام ان صفات کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ اب چونکہ "اسباب کسی کے سوتیلے نہیں ہوتے" لہذا صفائی اور پاکیزگی کے جذبے سے سرشار ان کے صحت مند اور خود کفیل معاشرے کے پروان چڑھنے کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ اسی طرح ہمارے ملک کا ایک بڑا مسئلہ ماحولیاتی آلودگی بھی ہے جو فیکٹریوں اور گاڑیوں سے نکلنے والے زہریلے فضلات اور مضر صحت گیسوں کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے۔ شجر کاری کے عمل کو منظم طریقے سے کامیاب بنا کر ہی ہم اپنی آبادی کو اس عذاب سے نجات دلواسکتے ہیں۔ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق اگر درخت لگانے کے عمل کو جاری رکھا جائے تو 50 فیصد بیماریاں گھر بیٹھے ہی ختم ہو سکتی ہیں!۔ اسی طرح درخت اور پیڑ پودوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک درخت سے 18 افراد کی ایک سال کی آکسیجن کی ضرورت پوری ہوتی ہے لہذا ماحولیاتی تبدیلی کے روکنے میں جنگلات اور پیڑ پودے اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ سو کل کی بجائے آج ہی اپنے گھروں، محلوں اور علاقوں میں شجر کاری کا آغاز کریں اور ہر سال کا کم از کم ایک درخت لگا کر 18 لوگوں کی صحت مند زندگی کے ضامن بنیں! یہ آپ کی طرف سے معاشرے پر احسان بھی ہوگا، آپ کے لیے کفایت شعاری اور صحت کی بھی ضمانت ہوگا اور سب سے بڑھ کر نظافت اور صفائی کے سبب آپ کو اللہ کا محبوب بندہ بھی بنائے گا اور آپ کے لیے توشۂ آخرت بھی ہوگا، سو ذرا جلدی کیجیے جناب!!

حوالہ جات:

1. وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً. اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں۔ (البقرۃ: 30)

مسلمانوں کے زوال کا مفہوم

شاہنواز فاروقی

چیف ایڈیٹر، روزنامہ جسارت، کراچی

امت مسلمہ میں صدیوں سے مسلمانوں کے زوال کا شور برپا ہے۔ یہ شور کہیں تحریر بن جاتا ہے کہیں تقریر میں ڈھل جاتا ہے۔ کہیں اس سے مایوسی کی اتھاہ گہرائی نمایاں ہوتی ہے۔ کہیں اس سے کوئی تحریک برپا ہوتی نظر آتی ہے۔ مسلمانوں کے زوال کے قصے نے مسلمانوں میں "ماتمی کیفیات" بھی پیدا کی ہیں۔ اس قصے نے برصغیر میں مولانا حالی سے مسدس حالی لکھوائی۔ اس نظم میں ایسا اخلاص، ایسا غم اور ایسی شدت ہے کہ اچھے خاصے بے حس لوگ بھی اس نظم کو پڑھ کر رو دیتے ہیں مسلمانوں کے زوال کے معاملے نے اقبال سے "شکوہ" لکھوائی۔ یہ نظم اپنی تاثیر کی وجہ سے آج بھی قاری کے پورے وجود پر چھا جانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس نظم کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال کے احساس کی شدت اتنی بڑھی کہ شاعر کسی اور سے کیا اللہ سے بھی شکوہ کرنے پر مجبور ہوگیا، یہ شدت ایسی ہے کہ اقبال کے خاکم بدھن کہنے کے بعد بھی کم نہیں ہوتی۔

مسلمانوں کے زوال کے قصے کی اس شدت کا اہم ترین پہلو یہ ہے کے مسلمانوں کی ساری قوت زوال کے احساس اور اس کے بیان پر صرف ہو گئی اور سوال پر کم ہی غور کیا گیا کہ مسلمانوں کے زوال کا مفہوم کیا ہے اور زوال کا یہ بیان جنم کہاں سے لیتا ہے؟

امام غزالی کی خود نوشت "المنقذ من الضلال" پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یونان کے فلسفے اور اسماعیلیت کے زیر اثر مسلمانوں میں فکر و عمل کی بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کے بنیادی عقائد بھی ان خرابیوں سے متاثر ہونے لگے تھے۔ غزالی نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں دین کی جتنی تعبیرات تھیں ان کے حوالے سے میرا دل مطمئن نہ تھا لیکن مسلمانوں کے اس "زوال" کا شعور غزالی کے سوا کسی کو بھی نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو یہ شعور اور اس کے اظہار کی سطح پر موجود نہیں تھا اور اس سلسلے میں اصلاح احوال کی کوئی کوشش نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن تاتاریوں نے جیسے ہی بغداد پر قبضہ کیا ہر طرف مسلمانوں کے زوال کا شور برپا ہو گیا۔

خلافت عثمانیہ کے خاتمے سے پہلے مسلمانوں کی حالت اچھی نہیں تھی۔ علم کے بہتے دریا میں ایک ٹھہراؤ کی کیفیت تھی۔ مسلمانوں میں عیش پرستی کے مظاہر عام تھے۔ مسلمان نسلی امتیازات پر اصرار کرتے نظر آتے تھے لیکن اس زوال کا ذکر کہیں موجود نہیں تھا۔ لیکن جیسے ہی سلطنت عثمانیہ ختم ہوئی مسلمانوں کے زوال کا شور ہر طرف برپا ہو گیا۔

برصغیر کے دائرے میں بھی یہی ہوا۔ مسلمانوں نے برصغیر پر ایک ہزار سال حکومت کی۔ لیکن بہادر شاہ ظفر تک آتے آتے مسلمانوں میں کئی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ان کی اخلاقیات میں کجی پیدا ہو گئی تھی۔ ان کی قوت فکر و عمل میں ایک طرح کا اضمحلال آ گیا تھا۔ مسلمان عیش پرست

ہو گئے تھے۔ وہ کھیل تماشوں میں پڑ گئے تھے۔ لیکن اس صورت حال کو مسلمانوں کے زوال سے تعبیر کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ لیکن جیسے ہی مغلیہ سلطنت کا سورج غروب ہوا مسلمانوں کے زوال کا ماتم ہر طرف شروع ہو گیا۔ اس صورت حال کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا مفہوم بے شمار لوگوں کے نزدیک مسلمانوں کا سیاسی زوال ہے۔ یعنی مسلمانوں کے زوال کے قصے کا مسلمانوں کے سیاسی اختیار و اقتدار یعنی Political Authority کے زوال سے گہرا تعلق ہے۔ بلکہ بہت سے لوگ ان دونوں چیزوں کو ہم معنی سمجھتے ہیں۔ بلاشبہ سیاسی اقتدار اعلیٰ کا زوال بہت اہم چیز ہے لیکن سیاسی زوال مطلق یا Absolute زوال نہیں ہے۔ بلکہ یہ جزوی یا اضافی یا Relative زوال ہے۔ لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں میں زوال کے حوالے سے جو بیانیہ یا Narrative ایجاد ہوا ہے اس میں جزوی اور کلی زوال کا فرق موجود نہیں اور مسلمانوں کے جزوی زوال کو کلی زوال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ صرف امت مسلمہ کے مجدّدین ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے سیاسی غلبے کے زمانے میں بھی مسلمانوں کی اخلاقی کمزوریوں کی نشاندہی کی۔ ان کی اصلاح کی اور مسلمانوں کو احساس دلایا کے مسلمانوں کی اصل کمزوری اخلاقی اور علمی کمزوری ہے۔ امام غزالی نے بھی تجزیے کا کام انہی دو دائروں میں کیا۔ مجدد الف ثانی نے جہانگیر کے زمانے میں جو تجدیدی کارنامہ انجام دیا اس کا تعلق بھی الٰہیات، اخلاقیات اور علمیات سے تھا۔ شاہ ولی اللہ نے بھی انہی امور کو پیش نظر رکھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح کی اور قرآن و حدیث کے علم کو برصغیر میں پھر سے زندہ کیا۔ مولانا مودودی کے حوالے سے یہ خیال عام ہے کہ مولانا کے یہاں سیاست کو غلبہ حاصل ہو گیا ہے لیکن یہ ایک سطحی خیال ہے۔ اس کی سطحیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ مولانا کی سیاست اسلام کی الٰہیات ہی سے برآمد ہوتی ہے۔ اس خیال کی سطحیت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مولانا کے تجدیدی کام میں سیاست مولانا کی فکر کا محض ایک پہلو ہے اور مولانا کے یہاں دین کے غلبے کا تصور ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہے۔

غور کیا جائے تو مسلمانوں کے زوال کا سب سے زیادہ شور برصغیر میں مچا۔ اس شور کی کمزوری کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جس دور کو مسلمانوں کا عہد زوال کہا گیا اس دور میں مسلمانوں نے دنیا کی تیسری بڑی زبان اردو تخلیق کی۔ اس زبان میں غالب، اکبر الہ آبادی اور اقبال جیسے شاعر پیدا ہوئے۔ اس زبان میں عربی اور فارسی کے بعد مذہبی ادب کے سب سے بڑی روایت تخلیق ہوئی۔ اس روایات میں مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا مودودی جیسے عالم پیدا ہوئے۔ برصغیر کی ملت اسلامیہ کے اجتماعی شعور کی قوت نے عہدِ زوال میں پاکستان کے نام سے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت تخلیق کی۔ کیا کوئی ملت اتنے بڑے تخلیقی کارنامے کو مکمل زوال کی حالت میں انجام دے سکتی ہے؟ یہاں سوال ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا حقیقی تناظر اور حقیقی مفہوم کیا ہے؟

رسول اکرم کی ایک حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا پر رسول اکرم کا زمانہ مبارک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ اس کے بعد خلافت راشدہ کا دور آئے گا اور یہ دور رہے گا جب تک اللہ کو منظور ہو گا۔ خلافت کے بعد ملوکیت کا عہد آئے گا اور جب تک اللہ کی مرضی ہو گی یہ عہد رہے گا۔ ملوکیت کے بعد بادشاہت کا زمانہ آئے گا اور یہ زمانے رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ پسند فرمائیں گے۔ بادشاہت کے بعد بدترین جبر کی حکومت کا دور ہو گا۔ اس عہد کے اختتام پر دنیا ایک بار پھر خلافت علی منہاج نبوہ کے تجربے کی طرف لوٹے گی۔

اس حدیث شریف میں ہر زمانہ رسول اکرم کے زمانے سے مفہوم اخذ کر رہا ہے۔ رسول اکرم کا زمانہ وحی کا زمانہ ہے۔ رسول اکرم کی موجودگی کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں زمین وحی کے وسیلے سے آسمان کے ساتھ منسلک تھی۔ چنانچہ رسول اکرم کے وصال پر سب سے بڑا تبصرہ یہ کیا گیا اب وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گیا۔

خلافت راشدہ کا زمانہ عظیم الشان زمانہ ہے۔ لیکن یہ زمانہ رسول اکرم کے زمانے سے کمتر زمانہ ہے اور اس میں نبی اکرم کے زمانہ مبارک کے حوالے سے ایک طرح کے زوال کی کیفیت ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خود اس زمانے کی عظمت کیا ہے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی روحانی اور علمی محرومی یہ ہے کہ وہ لفظ "راشد" کے معنی بھول گئے ہیں۔ "راشد" کے معنی ہیں ہدایت یافتہ یا The Guided one یعنی وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی یسر ہے۔ چنانچہ "خلفائے راشدین" سے مراد وہ مقدس ہستیاں ہیں جو ہدایت یافتہ تھیں لیکن سیدنا علی کے بعد خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ملوکیت مسلمانوں کا کامل زوال ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ ملوکیت مسلمانوں کا جزوی زوال ہے۔ اس زوال کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اب حاکم "ہدایت یافتہ" نہیں ہے۔ بلکہ وہ حکمرانی کے لیے اپنی "اخلاقی اہلیت" پر انحصار کر رہا ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ملوک کی اخلاقی اہلیت ایسی اہلیت ہے جو ماورا سے کٹ نہیں گئی ہے تو اس سے بہت دور ضرور ہو گئی ہے۔ بادشاہت ملوکیت سے نچلا درجہ ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اب حکمرانوں کی اخلاقی اہلیت کمزور ہو گئی ہے اور ان کا انحصار عقل اور ظاہری علم پر ہو گیا ہے۔ اس دائرے کی آخری منزل جبر کی حکومت ہے اور جبر کے ساتھ حکومت کرنے والے لوگ وہ ہیں جو عقل اور علم کی اہلیت سے بھی محروم ہیں۔ وہ صرف طاقت کے زور پر حکومت کر رہے ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں یہ مسلمانوں کے زوال کی انتہا ہے مگر اس مرحلے پر بھی مسلمانوں کا زوال مطلق یا کلی نہیں جزوی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے عقائد محفوظ ہیں۔ ان کی عبادات کا نظام زندہ ہے۔ ان کی اخلاقیات کمزور پڑی ہیں مگر فنا نہیں ہو گئی ہیں۔ مسلمانوں کا زوال اس لیے بھی ہمیشہ جزوی رہے گا کہ اسلام کوئی زمانی یا مکانی حقیقت نہیں ہے وہ قیامت تک کے لیے آیا ہے۔ اور جو دین قیامت تک کے لیے آیا ہو وہ کبھی مطلق زوال کی زد میں نہیں آ سکتا۔ اسلام کی اسی نوعیت کی وجہ سے امت مسلمہ میں تجدید کا دروازہ ایک مستقل ادارے کی حیثیت رکھتا ہے اور جس امت میں تجدید کے ادارے کا وجود ہو وہ کبھی مطلق زوال کا شکار نہیں ہو سکتی کیونکہ تجدید کا تصور مطلق زوال کی ضد ہے۔

ماہانہ رپورٹ برائے آئینۂ انجمن

قرآن اکیڈمی ڈیفنس

رجوع الی القرآن کورس سال اول کے اکتیسویں بیچ میں تقریبا 50 طلبہ اور 40 طالبات اکیڈمی میں اور 60 آن لائن شرکاء نے کورس میں رجسٹر کیا۔ کورس کے تحت خصوصی محاضرات و لیکچرز کے ضمن میں عشرہ ذی الحجہ فضائل اور اعمال، زیرتدریس : استاذ عاطف محمود صاحب، اور عیدالاضحیٰ اور فلسفہ قربانی، زیرتدریس : استاذ سید سلیم الدین صاحب، اور انسان کا اصل دشمن، زیرتدریس : حافظ محمد اسلم صاحب منعقد ہوا۔

مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ کے تمام شعبہ جات میں دورانِ رمضان تدریس جاری رہی۔ اسی طرح شعبہ حفظ میں کل وقتی حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ علم فاونڈیشن کا نصاب بھی پڑھایا جاتا ہے۔ وفاق المدارس کا سالانہ امتحان مورخہ 08 جون کو منعقد ہوا جس میں 8 طلبہ نے امتحان دیا۔

سمر اسلامک کیمپ : الحمدللہ مورخہ 24 جون 2024ء سے بچوں اور بچیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ سمر اسلامک کیمپ کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں جونیئر گروپ (6 تا 11 سال کے بچے اور بچیاں) کی کلاسز دوپہر 02:00 تا 03:00 بجے جبکہ ٹین ایجر گروپ (12 تا 16 سال کے لڑکے اور لڑکیاں) کی کلاسز سہ پہر 03:30 تا 04:30 بجے منعقد ہو رہی ہیں۔ کورس کا دورانیہ 3 ہفتے جبکہ کلاسز پیر تا جمعرات منعقد کی جا رہی ہیں۔ کورس کا اختتام ان شاء اللہ 11 جولائی 2024ء کو ہوگا۔ کورس میں شریک بچوں اور بچیوں کو ادارے کی جانب سے شرکت کی سند بھی جاری کی جائے گی۔ سمر اسلامک کیمپ کی 39 جونیئر بچے اور 42 جونیئر بچیاں، جب کہ 22 ٹین ایجرز بچے اور 20 ٹین ایجرز بچیاں شامل ہیں۔

دراسات علوم دینیہ سال اول : رجوع الی القرآن کورس کرنے والے اور اس کورس کو مکمل کرنے والے طلبہ و طالبات کے لیے ہفتہ وار "دراساتِ دینیہ کورس" کا آغاز 29 جون 2024ء بروز ہفتہ سے کیا جا چکا ہے۔ اس کورس کی تکمیل پر طلبہ کے لیے وفاق المدارس کے تحت منعقد ہونے والے دراسات کے امتحانات میں شرکت کا اہتمام بھی کیا جائے گا۔ اِس کورس میں علم الحدیث (معارف الحدیث)، فقہ (بہشتی زیور)، ترجمہ و تفسیر (سورۃ یونس تا سورۃ العنکبوت)، سیرت النبی ﷺ (سیرت خاتم الانبیاء ﷺ)، الطریقۃ العصریہ + قصص النبیین اور صرف و نحو + قرآن مجید کی صرفی و نحوی ترکیب پڑھائی جاتی ہے۔ دوران ماہ مسجد میں پہلا جمعہ جناب محمد نعمان صاحب، دوسرا جمعہ جناب عامر خان صاحب، تیسرا جمعہ جناب انجینئر عثمان علی صاحب اور چوتھا جمعہ جناب ڈاکٹر انوار علی صاحب نے پڑھایا۔

قرآن اکیڈمی یٰسین آباد

رجوع الی القرآن کورس (سال اول) میں 95 طلبہ اور 95 طالبات کی حاضری کے ساتھ کل تعداد 190 ہے۔ جن میں سے 11 طلبہ و طالبات

اسکالرشپ پر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ رجوع الی القرآن کورس (سال دوم) میں 18 طلبہ اور 18 طالبات کی تعداد کے ساتھ کل 36 طلبہ و طالبات کورس کر رہے ہیں۔ رجوع الی القرآن کورس کے تحت خصوصی محاضرات و لیکچرز کے ضمن میں دین اسلام کا ہمہ گیر تصور زیر تدریس جناب ڈاکٹر عطاء الرحمن عارف صاحب منعقد ہوا۔

حلقات و دورات (Short Courses) کے تحت مطالعہ حدیث (بروز اتوار)، تربیت برائے خادمین، مختصر درسِ حدیث (اہلِ محلہ / نمازی حضرات)، نماز سے متصل ترجمہ قرآن (بعد نماز ظہر)، تجوید القرآن متصل نماز ظہر، دراسات دینیہ، تجوید القرآن (سہ پہر)، سلسلہ وار دورہ ترجمہ قرآن، تربیت اساتذہ (ہر جمعہ) اور حج تربیتی نشست منعقد ہوئے جن میں حاضرین کی زیادہ سے زیادہ تعداد 140 رہی۔ اسلامک ڈے کیمپ میں 62 بچوں اور 65 بچیوں سمیت کل تعداد 127 تک ہے۔ جب کہ آن لائن دراسات دینیہ میں 6 طلبہ و طالبات حاضر ہیں۔

مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ: شعبہ حفظ کل وقتی کے درجہ حفظ میں 105 اور درجہ قاعدہ میں 28 طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ ماہ رواں میں الحمدللہ دس حفاظ کرام نے جامعہ انوار القرآن نارتھ کراچی میں وفاق المدارس العربیہ کا امتحان دیا۔ شعبہ مدرسۃ البنین و البنات میں درجہ قاعدہ میں کل 152 اور درجہ ناظرہ میں کل 107 طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں۔

علاوہ ازیں اسٹاف / خادمین کے لیے مختصر تربیتی کورس میں مختصر درسِ قرآن، درس احادیث، فقہ اسلامی و طہارت تجوید القرآن و تلفظ اذان و نماز، دعائیں / اذکار مسنونہ / ادعیہ ماثورہ اور آداب زندگی پڑھائے جاتے ہیں۔

مسجد جامع القرآن میں پہلا خطاب جمعہ "ہلاکت و بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والے پر" از محترم عاطف محمود صاحب، دوسرا "فلسفہ قربانی" از محترم ڈاکٹر عطاء الرحمٰن عارف صاحب، تیسرا "حضرت ابراہیمؑ کی داستان عزیمت" از محترم سید سلیم الدین صاحب اور چوتھا "عشرہ ذی الحجہ اہمیت و فضیلت" از محترم محمد ارشد صاحب منعقد ہوا۔

شعبہ تصنیف و تالیف کے تحت منتخب نصاب تفصیلی کی ترتیب و ترمیم مکمل ہو چکی ہے، حصہ دوم کے اختتامی مراحل مکمل کر کے چند روز میں مدیر ادارہ کے حوالے کر دیا جائے گا ان شاء اللہ۔ شعبہ تحقیق و تجزیہ کے تحت "معرکۂ روح و بدن" (قسط 2)، "بے خدا تہذیب کا نتیجہ بے خودی"، "دورِ حاضر میں فتنوں کی بارش"، "علم دین کی افادیت"، "شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن" اور "پاکستان میں LGBTQ اور اس کے آفیشل ثبوت" پر تحریری نوعیت کے کام جاری ہیں۔

قرآن اکیڈمی کورنگی

رجوع الی القرآن کورس سال اول 25 – 2024 بحسنِ خوبی جاری ہے۔ جس میں 27 حضرات اور 45 خواتین نے رجسٹریشن کروائی۔ خصوصی محاضرات و لیکچرز کے ضمن میں "علم کی فضیلت" زیر تدریس مدیر ادارہ جناب استاذ محمد ہاشم صاحب، "عشرہ ذوالحجہ (فضائل و مسائل)" زیر تدریس جناب استاذ عاطف محمود صاحب اور "حضرت ابراہیمؑ کی داستان عزیمت" زیر تدریس جناب استاذ انجینئر نعمان اختر صاحب منعقد ہوا۔

مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ للبنین والبنات میں تدریس کا عمل بحسن و خوبی جاری ہے۔ شعبہ بنین کے درجہ حفظ میں 49 جبکہ درجہ قاعدہ و ناظرہ میں 99 طلبہ اور شعبہ بنات میں 137 طالبات زیر تعلیم ہیں۔

ماہ جون میں شعبہ حفظ کے طلبہ کے لیے 1 تربیتی لیکچر منعقد ہوا۔ شعبہ بنات کے درجہ ناظرہ کی طالبات کے لئے "لوازمِ نجات (سورۃ العصر کی روشنی میں)"، "اللہ کا ادب"، "رسول ﷺ کا ادب"، "قرآن کا ادب" کے موضوعات پر تربیتی و خصوصی لیکچرز منعقد ہوئے۔

شعبہ خواتین میں بڑی عمر کی خواتین کے لیے تجوید القرآن و ناظرہ کی کلاس جاری ہے جس میں تقریباً 30 خواتین زیر تعلیم ہیں۔ اسی طرح شعبہ خواتین کے تحت "فلسفۂ قربانی اور عید الاضحیٰ" کے موضوع پر ماہانہ درس کا انعقاد کیا گیا۔ شعبہ خواتین کے تحت سلائی کورس میں 10 طالبات مستفید ہو رہی ہیں۔

حلقات و دورات دینیہ میں تنظیم اسلامی کورنگی شرقی کے تحت قرآن اکیڈمی کورنگی میں شام کے اوقات میں 19 اپریل 2024ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عشاء "Road to Jannah" کے عنوان سے ہفتہ وار کورس کا آغاز کیا گیا ہے۔ جس میں 40 حضرات اور 38 خواتین نے شرکت کی۔ مدرس کی ذمہ داری جناب عامر خان صاحب ادا فرما رہے ہیں۔ اسی طرح شام کے اوقات (مغرب تا عشاء) حضرات کے لیے عربی گرامر کی تدریس جاری ہے جس میں 10 حضرات شرکت کر رہے ہیں۔ جس میں تدریس کی ذمہ داری حافظ ریّان بن نعمان صاحب ادا کر رہے ہیں۔

01 جولائی 2024ء بروز پیر سے جماعت پنجم تا ہشتم طلبہ و طالبات کے لیے ایک ماہ پر مشتمل "Islamic Summer Camp" کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ 06 جولائی 2024ء سے ہفتہ وار کلاس پر مشتمل "قرآن فہمی کورس" کا آغاز کیا جا رہا ہے۔

دی ہوپ اسلامک اسکول

اسکول میں موسمِ گرما کی تعطیلات جاری ہیں۔

قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر

الحمد للہ رجوع الی القرآن کورس میں تدریس کا عمل جاری ہے اس کے علاوہ عشرہ ذوالحجہ فضائل و مسائل (استاذ سلیم الدین صاحب)، دین کا ہمہ گیر تصور (استاذ جناب عطاء الرحمن صاحب) اور دینی فرائض کا جامع تصور (استاذ ڈاکٹر انوار علی صاحب) کے عنوانات پر خصوصی محاضرات بھی منعقد ہوئے۔ مدیر ادارہ کی طلبہ و طالبات کے ساتھ سوال و جواب کی خصوصی نشست بھی منعقد ہوئی۔ بعد نماز فجر درس قرآن و حدیث کا سلسلہ جاری ہے جس کی ذمہ داری جناب ندیم گیلانی اور قاری غلام اکبر صاحبان ادا کر رہے ہیں۔ بعد نماز ظہر کتاب اصلاحی خطاب از مفتی تقی عثمانی کا مطالعہ بھی جاری ہے، جس کی ذمہ داری نائب مدیر ادارہ جناب سید جمیل احمد صاحب ادا کر رہے ہیں۔ بعد نماز عصر درس حدیث کا سلسلہ بھی جاری ہے جس کی سعادت جناب قاری غلام اکبر صاحب ادا کر رہے ہیں۔ مزید خطاب جمعہ کی سعادت مدیر ادارہ جناب ڈاکٹر انوار علی صاحب اور جناب عامر خان صاحب حاصل کر رہے ہیں۔ اور مدرسۃ القرآن برائے قاعدہ و ناظرہ بچوں کے لیے جاری ہے جس میں بچوں کی تعداد 55 ہے۔ انٹرنیشنل اسلامک آن لائن یونیورسٹی کے امتحانی مرکز ہونے کی وجہ سے طلبہ و طالبات کے امتحانات بھی لیے گئے۔ اس کے علاوہ 3 نکاح بھی منعقد ہوئے۔

قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد

الحمد للہ صبح کے اوقات میں رجوع الی القرآن کورس بحسن و خوبی جاری ہے۔ بروز ہفتہ دوپہر کے اوقات میں ترجمہ و تفسیرِ قرآن کی کلاس جاری

ہے۔ مدرسۃ القرآن برائے قاعدہ وناظرہ کے تحت صبح 9 تا 12 بجے اور دوپہر ظہر تا عصر بچوں کے لیے قاعدہ وناظرہ قرآن کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ بعد نمازِ مغرب بالغان کے لیے تجوید کی کلاس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بروز جمعہ بعد نمازِ مغرب ادارہ ہذا میں درسِ قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ شام کے اوقات میں حضرات وخواتین کے لیے "تفہیم الاسلام" کے عنوان سے شارٹ کورس جاری ہے۔ 24 جون سے موسمِ گرما کی تعطیلات میں بچوں اور بچیوں کے لیے چار ہفتوں پر مشتمل سمر کورس کا آغاز ہوچکا ہے۔ بیرونِ شہر اور دور دراز کے لوگوں کے لیے ماہِ جولائی سے پانچ آن لائن کورسز کا آغاز کیا جائے گا، جن میں ترجمہ و تفسیر، نماز و آخری سورتیں، تاریخِ امتِ مسلمہ، عربی گرامر (سندھی) کی تدریس کی جائے گی۔ ادارہ ہذا کے شعبہ سندھی کے تحت رواں ماہ "آسان عربی گرامر (نوٹس)" کی کمپوزنگ کی گئی۔

قرآن مرکز لانڈھی

الحمدللہ مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ للبنین والبنات میں تدریس کا عمل بحسن وخوبی جاری ہے۔ شعبہ بنین کے درجہ حفظ میں 59 جبکہ درجہ قاعدہ و ناظرہ میں 49 طلبہ اور شعبہ بنات میں 54 طالبات زیر تعلیم ہیں۔ مدرسہ البنین میں بزم طلبہ کا انعقاد کیا گیا جس میں طلبہ نے قراءت، حمد و نعت میں حصہ لیا۔ قربانی کے موضوع پر استاذ حافظ لقمان صاحب نے طلبہ سے خصوصی گفتگو کی۔

حلقات ودورات ودینیہ کے تحت حضرات کے لیے پیر تا جمعرات بعد نماز عشاء 1 گھنٹہ علم و عمل کورس کا آغاز کیا گیا جس میں 10 حضرات شریک ہیں۔ اسی طرح ہفتہ اور اتوار بعد نماز عشاء 1 گھنٹہ اللغۃ العربیہ کلاس کا آغاز کیا گیا جس میں 9 حضرات شریک ہیں۔ خواتین کے لیے منگل اور بدھ سہ پہر 03:00 تا 04:30 علم و عمل کورس کا آغاز کیا گیا جس میں 10 خواتین شریک ہیں۔ شعبہ دعوت و تبلیغ کے تحت ہفتہ وار مجلس تذکیر بالقرآن کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی طرح ماہانہ درس قرآن وحدیث میں "قربانی کی اہمیت، فضیلت و حکمت" کے موضوع پر عامر خان صاحب، ناظم دعوت حلقہ کراچی جنوبی کا خصوصی بیان ہوا۔

شعبۂ ملٹی میڈیا

خطباتِ جمعہ (محترم عامر خان صاحب):

ماہِ جون 2024ء میں محترم عامر خان صاحب کے درج ذیل موضوعات پر ہونے والے خطبہ جمعہ کی آڈیو ریکارڈنگ کی گئی جسے انجمن کی ویب سائٹ پر اپلوڈ کیا گیا:

- قرآن حکیم کا تصور نیکی
- نیکی اور تقوی کا قرآنی معیار

خطباتِ جمعہ (محترم ڈاکٹر انوار علی صاحب):

ماہِ جون 2024ء میں مسجد جامع القرآن (قرآن انسٹیٹیوٹ، گلستانِ جوہر) میں محترم ڈاکٹر انوار علی صاحب کے درج ذیل موضوع پر ہونے والے خطباتِ جمعہ کی آڈیو ریکارڈنگ کی گئیں جنھیں انجمن کی ویب سائٹ پر اپلوڈ کیا گیا:

- عشرہ ذی الحجہ
- قربانی، فضائل و مسائل
- اسلام میں عید کا تصور
- دورِ جدید کا الحاد

ریڈیو پاکستان:

ماہِ جون 2024ء میں نگرانِ انجمن کے دو مختصر دروس ریڈیو پاکستان کو ارسال کیے گئے۔

پوڈ کاسٹ:

انجمن خدام القرآن سندھ کے تحت ایک نئے سلسلہ کے آغاز کے لیے ذہن سازی اور عنوانات کی تیاری کا سلسلہ جاری ہے، جس میں اب تک 75 موضوعات کا اجمالی خاکہ اکیڈمکس کونسل سے منظوری کے بعد شعبہ تحقیقی کو ارسال کیا جاچکا ہے، اس کے علاوہ مجوزہ موضوعات کے حوالے سے ڈسکشن پینل، سولو اور پریزینٹیشن پیش کرنے والے حضرات کا خاکہ بھی تیار کیا جاچکا ہے۔

جامع مسجد معمار (زیر تعمیر):

انجمن خدام القرآن سندھ کے تحت زیرِ تعمیر مسجد، جامع مسجد معمار کے حوالے سے شعبہ ملٹی میڈیا کی جانب سے ساؤنڈ اور آئی ٹی کے حوالے سے بنیادی ڈھانچہ، گزارشات اور اس کا تخمینہ مجلسِ عاملہ کے سامنے پیش کیا گیا۔

انجمن خُدّامُ القرآن اغراض و مقاصد

انجمن خُدّامُ القرآن
سندھ، کراچی، رجسٹرڈ

انجمن خدّام القرآن سندھ، کراچی کے قیام کا مقصد منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت ہے۔ تاکہ اُمت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے اور اس طرح اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کی راہ ہموار ہو سکے۔

انجمن خدّام القرآن سندھ، کراچی کے اغراض و مقاصد:

- عربی زبان کی تعلیم و ترویج۔
- قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق۔
- علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت۔
- ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت جو تعلّم و تعلیم قرآن کو اپنا مقصدِ زندگی بنالیں، اور
- ایک ایسی قرآن اکیڈمی کا قیام جو قرآنِ حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کر سکے۔

☆☆☆

مرکزی دفتر انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی، رجسٹرڈ 375 – B، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ، بلاک 6، گلشن اقبال، کراچی۔ فون نمبر 7 – 34993436 – 021